خدام الدین
ہفت روزہ
لاہور پاکستان

بانیٔ ادارہ
شیخ التفسیر
حضرت مولانا احمد علی
قدس سرہٗ

۲۰/۵۲

دنیا مقصد سے خالی نہیں

چند سال قبل میں خود یہ سمجھتا تھا کہ دنیا بے مقصد ہے جس طرح میں نے اپنی اغراض کی بناء پر یہ تسلیم کر لیا تھا کہ دنیا بے مقصد ہے۔ اسی طرح سے لوگ اپنی جنسی، اقتصادی اور سیاسی اغراض کے لیے دنیا کو بے مقصد مان لیتے ہیں تاکہ جو کچھ وہ کرنا چاہیں آزادی کے ساتھ کر سکیں۔ اس طرح کچھ دن تو کام چل جاتا ہے مگر بالآخر انسان کا ضمیر اسے ملامت کرتا ہے اس لیے کہ دل کی آواز یہ ہے کہ

"دنیا مقصد سے خالی نہیں"

(پروفیسر ہکسلے)

۲۳ مئی ۱۹۷۵ء

۶۰ پیسے

احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ کے لیے محبت

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ یَقُوْلُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اَیْنَ الْمُتَحَابُّوْنَ بِجَلَالِیْ اَلْیَوْمَ اُظِلُّھُمْ فِیْ ظِلِّیْ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلِّیْ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ وہ لوگ کہاں ہیں جو میری عظمت کو سامنے رکھ کر آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے آج میں انہیں اپنے سایہ میں جگہ دوں گا۔ جب کہ میرے سایہ کے سوا اور کوئی سایہ ہے ہی نہیں۔

(مشکوٰۃ شریف۔ کتاب الآداب)

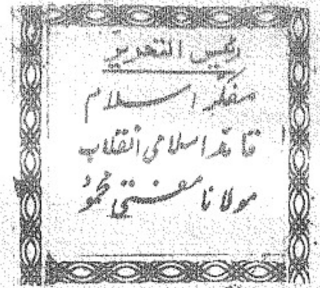
ہر روز دیکھنے میں آتا ہے کہ دنیا دار لوگ آپس میں کوئی ذاتی غرض سامنے رکھ کر ایک دوسرے سے محبت کا اظہار کرتے ہیں اور جس سے کوئی فائدہ پہنچنے کی امید ہوتی ہے اس سے دوستانہ گانٹھتے ہیں پھر اگر ان کی غرض پوری نہیں ہونے پاتی تو جھٹ جدا بھی ہو جاتے ہیں اور دوستی کے سارے وعدے بھول جاتے ہیں بلکہ ان کی دوستی دشمنی میں بدل جاتی ہے۔

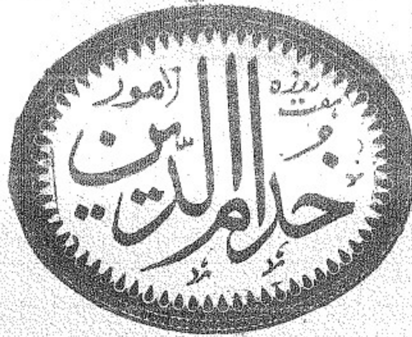
اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک دوستی ایسی بھی ہوتی ہے جو محض اللہ عزّ و جلّ کے خیال سے ہوتی ہے۔ ایک آدمی دوسرے سے اس لیے محبت کرتا ہے کہ وہ دونوں اللہ عزّ و جل پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے آگے سر جھکاتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ اس محبت کی وجہ ان کی اپنی کوئی غرض نہیں۔ بلکہ یہ محض اللہ عزّ و جل کی کی تعظیم اور محبت کی وجہ سے ہے۔ اللہ کے ماننے والوں سے تعلق پیدا کرتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ اللہ کی اطاعت کرنے والے ہیں۔ ایسا کرنا بلاشبہ اللہ بزرگ و برتر کی عظمت کا اقرار کرنا ہے جیسے دولت مند سے تعلق پیدا کرنا بلاشبہ دولت کی بڑائی کا مان لینا ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے جو اللہ کے واسطے ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے ارشاد فرمائے گا۔ تم میرے سایہ میں آجاؤ۔ میں تمہیں ساری پریشانیوں سے آج نجات دوں گا۔ کیونکہ آج کا دن انتہائی پریشانیوں کا ہے اور میرے سوا کوئی ان سے نہیں بچا سکتا۔ تمہارا آپس کا میل جول میری بڑائی کے مان لینے کی علامت تھی میں آج تمہیں ساری مصیبتوں سے نجات دوں گا۔ جن لوگوں کے میل جول کی وجہ کوئی دنیاوی غرض تھی وہ آج بے یار و مددگار ہیں۔ کیونکہ جس کو وہ بڑائی سمجھتے تھے وہ تو دنیا میں ہی رہ گئی آج اس کا نام و نشان بھی باقی نہیں۔ اس دن اللہ کریم کے سایہ کے سوا کسی کا سایہ نہیں ہو گا۔

● اگر تو گناہ کرنے پر آمادہ ہے تو ایسی جگہ تلاش کر جہاں خدا نہ ہو۔ (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ)







جلد ۲۰ • شمارہ ۵۲ | ۲۳ مئی ۱۹۷۵ء مطابق ۱۱ جمادی الاول ۱۳۹۵ھ | قیمت ۶۰ پیسے

شریعت الٰہیہ کا نفاذ

وقت کی اہم ترین ضرورت

مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمود زید مجدھم

اس سے پہلے ہم انہی کالموں میں اسلامی تعزیرات کے فوری نفاذ کے سلسلہ میں اپنی معروضات قارئین کی خدمت میں پیش کر چکے ہیں۔

اس کے بعد پاکستان میں مصر کے سفیر جناب عمران الشفیع کی وہ خیال انگیز اور فکر افروز تقریر سامنے آئی جو موصوف نے لاہور ہائی کورٹ کے وکلاء کے سامنے کی۔ اس تقریر میں موصوف نے انسانی قوانین کے بجائے شریعت الٰہیہ کے نفاذ کو وقت کی اہم ترین ضرورت قرار دیا۔ اور واضح طور پر کہا۔

"آج کی دنیا سازشوں کی تاریکی میں بھٹک رہی ہے۔ سیاسی، سماجی اور معاشی مسائل گمبھیر ہوتے چلے جا رہے ہیں اور وہ اسی وقت حل ہوں گے جب اسلام ہر سو پھیل جائے گا۔"

سفیر مصر کے یہ خیالات انتہائی سچے تھے اور ایک صحیح العقیدہ، صائب الرائے انسان کے دل کی آواز ہیں۔

یہ خیالات ایسے نہیں جنہیں محض "خوش عقیدگی" پر محمول کیا جائے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ "دین فطرۃ" کی طرف لوٹے بغیر انسانیت سکھ اور چین کا سانس کبھی نہیں لے سکے گی۔

جہاں تک انسانی فکر اور انسانی سوچ کا سوال ہے وہ اس وقت آسمان کی بلندیوں پہ پرواز کر رہی ہے اور انسان نے اپنی طویل اور صبر آزما جدوجہد سے تاروں پر کمند ڈالنے کے خواب کی تعبیر اپنے عمل سے پیش کر دی ہے۔ لیکن اس شعور آگہی کے باوجود "انسانی مسائل" اسی طرح لٹکے ہوئے ہیں اور چاروں طرف سے مشکلات و مصائب نے انسانیت کا ناک میں دم کر رکھا ہے۔

جہاں تک مصری سفیر کا تعلق ہے وہ بہرحال ایک مسلمان ہیں اور مسلمان ملک کے نمائندے ہیں۔ اگر ان کے خیالات کو ان کی خوش عقیدگی پر بھی محمول کیا جائے تو کئی غیر مسلم مفکر اور دانشور آپ کو ایسے ملیں گے جنہوں نے آج سے بہت پہلے

اس قسم کی باتیں کہیں۔

مثلاً مشہور ہندو رہنما مسٹر گاندھی کا ایک صحیح حکومت کے لیے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نقوشِ پا کو اپنانے کا مشورہ ماضی قریب کی بات ہے اور بہت سے حافظوں میں یہ موجود ہوں گی۔

مسٹر گاندھی کے یہ خیالات اسلام کی ہمہ گیری، مسائل کا بہترین حل پیش کرنے کی قوت اور ہر نئے چیلنج کا جواب دینے کی سکت کا بہترین ثبوت ہیں۔

اسی طرح پاکستان کی عدلیہ کے ایک سابق چیف جسٹس مسٹر کارنیلیس نے متعدد بار اس طرف توجہ دلائی۔ انہوں نے ملکی اور غیر ملکی سطح پر کئی کانفرسوں اور اجلاسوں میں انسانی مسائل کے صحیح اور مثبت حل کے لیے اسلام پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت پر زور دیا۔

جب مسلمان تو مسلمان غیر مسلم بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں تو سوال یہ ہے کہ مسلم ممالک اس معاملہ میں کوتاہی اور غفلت کا کیوں مظاہرہ کر رہے ہیں؟ واقعہ یہ ہے کہ آج کے اس دور میں جب کہ بقول سفیر دنیا سازشوں کی تاریکی میں بھٹک رہی ہے اور مسائل گھمبیر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ ان مسائل کے حل کی ایک ہی صورت ہے کہ "دائیں اور بائیں" کی انسانی تقسیم سے ماورا ہو کر اس صحیفہ مقدسہ کی طرف رجوع کر لیا جائے جو اعتدال کی بہترین راہ کا علمبردار اور اپنے ماننے والوں کو "امتِ وسط" بنانے کا آرزو مند ہے۔

جہاں تک قوانین کی ترتیب و تدوین کا تعلق ہے ہمیں اعتراف ہے کہ یہ خاصا مشکل اور ادق کام ہے لیکن ایسا بھی نہیں جو حل نہ ہو سکے۔

آج عالم اسلام میں اور خود پاکستان میں ایسے قدیم و جدید فضلاء کی کمی نہیں جن کی خدمات اگر اس مقصد کے لیے حاصل کی جائیں تو یہ کام چٹکیوں میں حل ہو سکتا ہے۔

بدقسمتی یہ ہے کہ پاکستان جیسا نظریاتی ملک جو صرف اور صرف اسلام کے لیے حاصل کیا گیا تھا اس میں آج تک قوانین اسلامی کی ترتیب و تدوین کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی گئی۔ اگر کبھی اس موضوع پر کوئی کوشش ہوئی بھی تو محض لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی غرض سے اور بس۔

مثال کے طور پر آج کل جو اسلامی مشاورتی کونسل کام کر رہی ہے اس کی ہیئت ترکیبی کا بنظر غائر اگر جائزہ لیں تو آپ کو اس پورے قافلہ میں ایک بھی ایسا انسان نظر نہیں آئے گا جو اس کام کا اہل ہو۔ اور پھر اگر یہ پوچھیں کہ مستقل آئین کے نفاذ کے بعد اس کونسل کی کارکردگی کیا ہے؟ تو آپ کو اور زیادہ مایوسی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ پاکستان میں اس مقصد کے لیے جو ادارے قائم کیے گئے ہیں ان کی تنظیم نو کی جائے۔ نااہل افراد کو نوازنے کے لیے اور بھی کئی طریق ہو سکتے ہیں۔ یہ کام انتہائی اہم اور ذمہ داری کا ہے جس پر ملک کے وجود و بقا کا مدار ہے۔ اس کے لیے گروہی اور حزبی اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر صحیح الفکر، صائب الرائے اور اہل افراد کی ٹیم تیار کی جائے اور ضرورت پڑے تو بیرونی دنیا سے بھی فضلاء کی اس سلسلہ میں خدمات حاصل کی جا سکتی ہیں۔ کیونکہ زندگی کے تمام شعبوں میں جب ہم ایک دوسرے سے تعاون حاصل کرتے ہیں تو بقول مصری سفیر اس سب سے زیادہ اہم اور ضروری کام میں باہمی تعاون سے جی چرانا بہت ہی افسوسناک ہے۔

مصری سفیر نے اپنے ملک میں اسی غرض سے ہونے والے کام کی جو تفصیلات بیان کی ہیں ان کا جائزہ لیا جا سکتا ہے اور مشاورتی کونسل کی تنظیم جدید کے بعد جو حضرات اس میں بطور ممبر لیے جائیں انہیں مصر سمیت دوسرے ممالک میں بھیجا جا سکتا ہے تاکہ وہ وہاں جا کر دوست ممالک میں اس قسم کی ہونے والی کوششوں کو خود دیکھیں اور ان کی روشنی میں کام کریں۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر باہمی تعاون کے جذبہ سے کام کیا جائے تو چند ماہ کی قلیل مدت میں قوانین اسلامی

مرتب ہو سکتے ہیں بلکہ ہم تو یہ کہیں گے کہ یہ کام فی الفور "اسلامی سیکرٹریٹ" کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہیے اور ممبر ملکوں کے ارباب علم و فضل کی ایک ٹیم مرتب کر کے اپنی نگرانی میں اس کام کو کروانا چاہیے

اگر اسلامی سیکرٹریٹ یہ کام کر دے تو جہاں سیکرٹریٹ کی نیک نامی ہو گی وہاں "اتحاد عالم اسلامی" کا خواب بہت جلد شرمندۂ تعبیر ہو جائے گا۔ ورنہ یہ خواب ایسا نہیں جو محض رسمی کانفرنسوں سے پورا ہو سکے۔ اس کے لیے یک دلی اور ہم زبانی ضروری ہے اور ظاہر ہے کہ ایک مسلمان کے لیے یکدلی و ہم زبانی کی بنیاد "کلمۃ الحق" ہے اگر اس کلمۃ اللہ کو بنیاد بنا کر سفر شروع کیا جائے اور تمام ممالک اسلامیہ خلوص و سنجیدگی کے ساتھ اس کام میں لگ جائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ یہ کام جو بلا وجہ پہاڑ نظر آتا ہے چٹکیوں کی دیر میں پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ جائے۔

ہم جہاں مصری سفیر کے ان خیال افروز اور فکر انگیز خیالات کی قدر دانی کرتے ہوئے ان کی اس جرأت پر انہیں داد دیتے ہیں وہاں تمام اسلامی برادری سے یہ کہنا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ دنیا کے خود ساختہ قوانین تیزی کے ساتھ دم توڑ رہے ہیں۔

اگر ایک طرف سامراجی بلاک اپنے کیے دھرے کی سزا بھگت رہا ہے تو دوسری طرف کمیونسٹ دنیا اپنی ذہنی سوچ و فکر کی عدم کامیابی کی شاکی ہے۔ ایسے میں آپ کی جرأت رندانہ اور ایمان و عقیدہ کی قوت دنیا کو اپنے عمل و کردار سے اگر اپنی طرف متوجہ کر لے تو اس میں جہاں پوری دنیا کا بھلا ہے وہاں آپ کے وجود کے بقاء و تحفظ کا راز بھی اسی میں مضمر ہے۔ بصورتِ دیگر سقوط بیت المقدس سے بڑھ کر بھی کوئی سانحہ رونما ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہماری دستگیری فرمائیں۔ اور ہمیں اپنی

ذمہ داریوں

کو پورا کرنے کی توفیق بخشیں۔ آمین ثم آمین!

اسلام آباد کی مسجد فیصلؒ

سعودی عرب کے سابق فرمانروا جلالۃ الملک شاہ فیصل مرحوم پاکستان کے بہترین دوست اور ایک ایسے مسلم سربراہ تھے جن کا دل عالم اسلام کے لیے دھڑکتا تھا اور جنہوں نے بے پناہ وسائل کو اسلام کی خدمت کے لیے وقف کر دیا تھا۔

خدام الدین کے صفحات میں مرحوم کے حادثۂ شہادت پر مفکرِ اسلام حضرت مفتی محمود کے قلم سے نکلنے والا اداریہ قارئین ایک بار پھر پڑھ لیں۔ تاکہ انہیں اندازہ ہو جائے کہ مرحوم اس معاملہ میں کتنی خوبیوں کے مالک تھے۔

صحبتِ امروزہ میں جس مسئلہ کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے وہ ہے اسلام آباد میں مسجد فیصل کا قصہ۔

ایوب خان نے جب اس شہر کی بنیاد رکھی تھی تو پوری طرح غور و فکر کے بعد اس کا نام "اسلام آباد" تجویز کیا گیا تھا۔ ہمیں یاد ہے کہ جسٹس کیانی نے اپنے مخصوص ظرافت آمیز لہجہ میں اس پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک ایسی بات کہی تھی جو آج واقعاتی تشکل میں ہمارے سامنے موجود ہے۔

کیانی صاحب نے اس شہر کو اسلام کی "آخری قبر" قرار دیا اور ہمیں دکھ ہے کہ ہو بھی یہی کچھ رہا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اسلام آبادی کی غرض سے بلند و بالا عمارات، صاف و شفاف شاہراہوں اور ہرے بھرے کھیتوں اور کیاریوں کا محتاج نہیں بلکہ اسلام ایک عقیدہ کا نام ہے۔ جب تک وہ عقیدہ دل و دماغ میں رچ بس نہ جائے اور اس کے مطابق عمل انسان کی طبیعت ثانیہ نہ بن جائے اس وقت تک اسلام کی آبادی ایک موہوم آرزو سے زیادہ کچھ نہیں۔

بدقسمتی سے یہ شہر بجائے اسلامی اقدار و اعمال کی آماجگاہ بننے کے اسلام کے خلاف ہونے والی سازشوں کا گڑھ بنتا جا رہا ہے۔ اسلامی روایات و آثار کے خلاف، دانشوروں کی کھیپ جو کچھ تیار کرتی ہے وہ سب کچھ اسی شہر میں ہوتا ہے۔ اس لیے فوری ضرورت اس بات کی ہے کہ اس قسم کے مادر پدر آزاد

دانشوروں سے گلو خلاصی کرائی جائے اور اینٹ مٹی کے اس خوبصورت شہر کو اسلامی عظمت کا گہوارہ بنایا جائے۔

شہر کی سب سے بڑی مسجد جو دنیا میں بھی مثالی مسجد ہوگی کی تعمیر کا ذمہ مرحوم شاہ فیصل نے لیا تھا۔ افسوس کہ وہ اپنے ہی سنگدل اور شقی القلب بھتیجے کے خنجر کا شکار ہو گئے اور کئی حسین آرزوئیں دل میں لیے منوں مٹی کے نیچے ابدی نیند سو گئے۔

تاہم ان کے جانشینوں نے ان کی دوسری خواہشات کے لیے جہاں جدوجہد جاری رکھنے کا عزم کیا ہے وہاں انہوں نے اسلام آباد کی عظیم مسجد کے لیے خطیر سرمایہ بھی فراہم کر دیا ہے۔

کئی سال کی محنت اور تگ و دو کے بعد اس مسجد کا نقشہ بنا اور منظور ہو چکا ہے اور ساتھ ہی سرمایہ بھی فراہم ہو چکا ہے ایسے میں اب ضروری ہے کہ مسجد کی تعمیر کا کام بلا تاخیر شروع کر دیا جائے لیکن تعمیرات کے سلسلہ میں نگرانی کرنے والی کمیٹی میں ایسے مخلص دیانتدار اور بے غرض اصحاب کا ہونا ضروری ہے جو ایک پیسہ ضائع کیے بغیر کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچائیں۔ یہ ایک تکلیف دہ حقیقت ہے کہ ہمارے ملک میں ہر شعبہ زندگی میں خورد برد لازمہ حیات بن چکا ہے اور سرمایہ کا ایک حصہ تو بہرحال اس قسم کے لوگوں کی جیب میں چلا جاتا ہے جو کسی کام سے کسی قسم کا واسطہ رکھتے ہیں۔

اس لیے ہماری تجویز ہے کہ مرحوم شاہ فیصل کی دین دوستی اخوت اسلامی کے عظیم جذبات کی قدر کرتے ہوئے اختلافات سے قطع نظر ہر طبقہ سے متدین اور مخلص لوگوں پر مشتمل کمیٹی بنائی جائے۔ سرمایہ کی ایک ایک پائی ان کے سپرد کی جائے تاکہ وہ اپنی نگرانی میں یہ کام مکمل کرائیں۔ اور اس کے بعد اس "عظیم مسجد" کو روایتی محکمہ اوقاف کے کھاتہ میں ڈال کر محض ارباب اقتدار کی خوشامد و چاپلوسی کا مرکز نہ بنایا جائے بلکہ اس میں ایسے خطیب و امام اور دوسرے عملہ کا اہتمام کیا جائے جو شاہ شہید کی طرح بے نیازی و استغنا اور خدا خوفی کی مجسم تصویر ہو تاکہ یہ عظیم مسجد مرحوم کی حسین آرزوؤں کی تکمیل کا ذریعہ بن سکے۔

فحش فلمیں اور انتظامیہ

لائلپور سمیت متعدد شہروں کی رپورٹ ہے کہ وہاں کے لالچی، خود غرض اور اعلیٰ اسلامی اقدار کے دشمن سینما مالکان نے اپنے اپنے یہاں اس قسم کا کاروبار شروع کر رکھا ہے جس کے نتیجہ میں قومی اخلاق بری طرح تباہ ہو رہا ہے۔ یہ لوگ بلیو پرنٹ کھلے بندوں استعمال کرتے ہیں۔ فلموں کے حیا سوز مناظر پر مشتمل طویل و عریض سائن بورڈ شاہراہوں اور چوکوں پر آویزاں کرتے ہیں اور اس طرح تنورِ شکم بھرنے کا اہتمام کرتے ہیں۔

جہاں تک فلم و سینما کا تعلق ہے خدام الدین نے ہمیشہ ہی اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی اور اربابِ اقتدار کو اس طرف متوجہ کیا کہ ایک مسلم ملک میں یہ کاروبار اس کی اعلیٰ روایات کے بالکل منافی ہے۔

لیکن حکومت چونکہ اسلام دشمنی میں تمام طبقات سے زیادہ بڑھ چڑھ کر حصہ دار ہوتی ہے اس لیے اس نے کبھی بھی سنجیدگی سے ان چیزوں کا نوٹس نہیں لیا۔ اور اس کی غفلت و تساہل کے نتیجہ میں اربابِ اغراض کا یہ طبقہ اتنا جری ہو چکا ہے کہ قومی اخلاق سے کھیلنا ان کا من پسند مشغلہ ہو چکا ہے۔

اسلام عصمت و عفت اور حیا و انسانیت کا علمبردار ہے وہ اپنے جلو میں کچھ اعلیٰ اقدار رکھتا ہے اور ان اقدار کی پاسبانی کو وہ اپنا فرض قرار دیتا ہے۔ لیکن اسلام کے نام نہاد نام لیوا جب سینما، ٹی وی اور دوسرے ذرائع سے فحاشی و بدکاری کا کاروبار شروع کر دیں تو پھر کسی کافر پہ کیا گلہ رہ جاتا ہے؟

مختلف سامراجی ممالک میں جب اس قسم کی کوئی حرکت ہوتی ہے۔ جس کے ذریعہ مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوتے ہوں۔ تو آسمان سر پر اٹھا لیا جاتا ہے لیکن جب خود مسلمان "فخر اسلام" اور "خانہ خدا" جیسی فلمیں بنا کر جلب زر کا وطیرہ اختیار کریں تو انہیں

(باقی ص ۱۳ پر)

خطبہ جمعہ

رزقِ حلال کے بغیر زندگی کا نظام

درست نہیں ہوسکتا

جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور دامت برکاتہم

مرتّب : محمد سعید الرحمٰن علوی

الحمد للہ وکفٰی وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفٰی : امّا بعد :

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

محترم حضرات و خواتین ! قرآن عزیز کی جو آیت کریمہ تلاوت کی گئی ہے یہ سورۃ بقرہ کے ۲۳ ویں رکوع کی آخری آیت ہے ۔ اس میں اللہ تعالٰے نے دو چیزوں کی ممانعت فرمائی :۔

آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طریق سے کھانا اور حکام تک اس کو پہنچانا ۔

آیت کریمہ کا ترجمہ یہ ہے :۔

"اور نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کا آپس میں ناحق ۔
اور نہ پہنچاؤ ان کو حاکموں تک کہ کھا جاؤ
کوئی حصہ لوگوں کے مال میں سے ظلم کر کے
اور تم کو معلوم ہے"

اس آیت سے پہلے کئی آیات میں روزہ کے احکام کا تذکرہ ہے اور آپ جانتے ہیں کہ روزہ سے طہارتِ نفس مقصود ہے جس کے لیے اللہ تعالٰے نے ایک محدود وقت کے لیے جائز و حلال چیزوں کے قریب جانے سے ممانعت فرما دی ۔ اور اس آیت میں تطہیر مال کا ذکر ہے اور اجمالی طور پر تمام ناجائز طریقوں سے روکا گیا ہے ۔ حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ العزیز حواشی میں ارشاد فرماتے ہیں :

"روزہ سے تطہیر نفس مقصود تھی اب تطہیر اموال کا ارشاد ہے اور معلوم ہوگیا کہ مال حلال تو صرف روزہ میں اس کا کھانا منع ہے اور مال حرام سے روزہ مدت العمر کے لیے ہے اس کے لیے کوئی حد نہیں جیسے چوری یا خیانت یا دغابازی یا رشوت یا زبردستی یا قمار یا بیوع ناجائزہ یا سود وغیرہ ان ذریعوں سے مال کھانا بالکل حرام اور ناجائز ہے —— نہ پہنچاؤ حاکموں تک یعنی کسی کے مال کی خبر نہ دو ظالم حاکموں کو یا اپنا مال بطور رشوت حاکم تک نہ پہنچاؤ کہ حاکم کو موافق بنا کر کسی کا مال کھا لو ۔ یا جھوٹی گواہی دے کر یا جھوٹی قسم کھا کر یا جھوٹا دعوٰی کر کے کسی کا مال نہ کھاؤ اور تم کو اپنے ناحق ہونے کا علم بھی ہو"

جہاں تک رزقِ حلال کا تعلق ہے قرآن و حدیث نے جا بجا اس کی اہمیت و فضیلت بیان فرمائی ۔ مثلاً سورۃ مومنون کے چوتھے رکوع کی پہلی آیت میں اللہ تعالٰے تمام انبیاء علیہم السلام کو اجماعی حکم ارشاد فرماتے ہیں کہ :۔

"اے رسولو ! کھاؤ ستھری چیزیں" ۔

اور بقول مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم :

"یعنی سب پیغمبروں کے دین میں یہ ایک ہی حکم رہا کہ حلال کھانا حلال راہ سے کما کر"

اور سورہ بقرہ میں دوسری جگہ اللہ تعالٰے نے تمام بنی نوع انسان کو اسی قسم کا حکم دیا ۔

يَآ اَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلاً طَيِّبًا۔

یعنی اے لوگو! کھاؤ زمین کی چیزوں میں سے حلال پاکیزہ۔

یہی دو آیتیں رزقِ حلال کی اہمیت جتلانے کے لیے کافی ہیں۔ بالخصوص سورۂ مومنون کی آیت جس میں حضرات انبیاء علیہم السلام کو حکم ہے۔ حالانکہ اللہ کا کوئی نبی آنکھ جھپکنے کی دیر میں بھی خدا کی نافرمانی نہیں کر سکتا بلکہ اس طرح سوچ بھی نہیں سکتا اور کسی بھی نبی کے متعلق یہ سوچنا کہ وہ رزقِ حلال کے بجائے لقمہ حرام اپنے پیٹ میں ڈالے گا بالکل غلط ہے اس کے باوجود محض اس حکم کی تاکید و اہمیت بتلانے کے لیے اور نسلِ انسانی کو اس اہم ترین فریضہ کی طرف توجہ دلانے کے لیے انسانیت کے سب سے زیادہ محترم طبقہ انبیاء علیہم السلام کو براہ راست خطاب فرمایا گیا اور جہاں تک جناب نبی کریم علیہ السلام کا تعلق ہے آپ کے ارشادات اس سلسلہ میں کثرت سے وارد ہیں۔

مثلاً ایک جگہ آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ جس کا کھانا پینا حرام کا ہو اسے اپنی دعا کے قبول ہونے کی توقع نہیں رکھنا چاہیے"۔ (عثمانیؒ)

اندازہ فرمایا آپ نے کہ پیغمبر رحمت علیہ السلام نے کتنا سخت لب و لہجہ اختیار فرمایا کہ لقمہ ہائے حرام سے پیٹ کی آگ بجھانے والوں پہ واضح فرما دیا کہ تمہاری دعائیں اللہ کے یہاں قطعاً مردود ہیں۔

یعنی دعاؤں کا مسئلہ ایسا ہے کہ انسان مجبوری و پریشان حالی کے عالم میں اپنے خدا کو پکارتا ہے۔ وہ خدا جو شہ رگ سے زیادہ قریب ہے اور وہ خدا جو فرماتا ہے کہ:۔

"میرے بندے آپ سے میرے متعلق پوچھتے ہیں۔ (آپ فرما دیں) کہ میں بالکل قریب ہوں اور ہر پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جب بھی وہ مجھے پکارے"۔

یعنی اسے اپنے بندوں سے اتنا تعلق خاطر ہے کہ وہ ہر وقت اور ہر جگہ ہر کسی کی پکار سنتا ہے اس کا جواب دیتا، اس کی ضروریات پوری کرتا اور مصائب و مشکلات سے اس کی حفاظت کرتا ہے لیکن جو بندہ اس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اسے پکارتا ہے، اس کی پکار کو وہ رد کرتا ہے اور یہ بالکل صحیح اور درست امر ہے کیونکہ ہر جگہ اور ہر مقام کے کچھ ضوابط ہوتے ہیں۔ ان ضوابط کی پابندی کر کے تو انسان اپنے مقاصد میں کامیاب ہو جاتا ہے لیکن ان سے اعراض و انحراف کر کے اگر وہ کامیابی کی سوچے گا تو یہ اس کی ابلہ فریبی ہو گی۔

ایک حدیث میں حضور علیہ السلام نے اس سے بھی زیادہ سخت بات ارشاد فرمائی۔

"کہ جو گوشت حرام سے اُگا ہو دوزخ کی آگ اس کی زیادہ حق دار ہے"۔

آپ اندازہ لگائیں کہ رزق حرام اور لقمہائے حرام سے اللہ میاں کتنے ناراض اور کتنے غضب ناک ہوتے ہیں۔ اس قسم کا بدبخت و نامراد انسان جو کھانے پینے کے معاملے میں الٰہی فرامین کی پابندی نہیں کرتا اور ناجائز چیزوں سے اپنا پیٹ بڑھاتا اور بھرتا چلا جاتا ہے۔ خدائے برتر اس کو جہنم کا مستحق قرار دیتے ہیں۔

قرآن و حدیث کے یہ ارشاد ملاحظہ فرمائیں اور ان کی روشنی میں ذرا اپنی روزی کا جائزہ لیں۔

آج ہماری روزی کے معاملہ میں یہ کہاوت سو فیصد صادق آتی ہے کہ اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی؟

اس وقت مسلم معاشرہ کی معاشیات میں "سود" ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ حالانکہ اس سے اللہ تعالیٰ نے سختی سے ممانعت فرمائی اور یہاں تک فرمایا کہ "اگر تم سود سے باز نہ آئے تو تمہیں خدا اور رسول برحق کی طرف سے اعلان جنگ ہے"۔ (البقرہ)

گویا سود ایک ایسا جرم ہے جس کے ارتکاب پہ خداوند قدوس اتنے ناراض ہوتے ہیں کہ جنگ و رزم کا اعلان فرما دیتے ہیں اور جب مقابلہ میں خود خدا آ جائے تو پھر کامیابی کا سوال ہی غلط ہے

(باقی صفحہ ۲۰ پر)

مجلسِ ذکر — احسان و تصوّف کی حقیقت

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے خود سکھلائی

مرتب : محمد سعید الرحمٰن علوی

بیان : جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور دامت برکاتہم

بعد از خطبہ مسنونہ :-

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم : بسم اللہ الرحمٰن الرحیم :

فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا۔

ترجمہ : یعنی اگر وہ (یہود و نصاریٰ اور دوسرے لوگ) بھی ایمان لاویں جس طرح پر تم ایمان لائے ، ہدایت پائی انہوں نے بھی۔

یہ آیت کریمہ سورۂ بقرہ کے سولھویں رکوع کی ہے۔ اس سے پہلے کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے غلط اور باطل دعاوی کا تذکرہ کیا جو وہ اپنے ہدایت یافتہ ہونے کے متعلق کرتے تھے حتیٰ کہ کہتے تھے کہ ہدایت کا منبع ہماری ذات ہے اور بس۔

خداوند قدوس نے ان کے دعاوی کی تکذیب کے ساتھ ساتھ ہدایت کا منبع بھی ارشاد فرمایا۔ جس کا اس آیت میں تذکرہ ہے یعنی اصحاب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح ایمان لائے اسی طرح دوسرے طبقات بھی ایمان لا کر ہدایت یافتہ اور ناجی کہلا سکتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کا ایک ارشاد منقول ہے۔ جس میں آپ نے پچھلی امتوں کی گروہ بندی کے ساتھ ساتھ اپنی امت کی گروہ بندی کا بھی تذکرہ فرمایا اور صرف ایک طبقہ کے ناجی و ہدایت یافتہ ہونے کی اطلاع دی۔ جب آپ سے اس ناجی طبقہ کے متعلق سوال ہوا تو فرمایا :

مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي۔ یعنی وہ طبقہ جو میرے اور میرے صحابہؓ کے طریق پر ہوگا۔

اس کے علاوہ بھی متعدد ارشادات ہیں جن میں صحابہ علیہم الرضوان کے طریق کو طریق حق و صداقت اور اس طرح انہیں معیارِ حق قرار دیا گیا۔ مثلاً ایک حدیث میں آپ نے انہیں آسمانِ ہدایت کے نجوم (ستارے) قرار دیا۔ اور فرمایا کہ ان میں سے جس کی پیروی کروگے منزل تک پہنچ جاؤ گے۔

وہ لوگ غایت درجہ بدبخت ہیں جو حضرات صحابہ علیہم الرضوان کے متعلق زبان طعن و تشنیع دراز کرتے اور ان پر جرح و تنقید کرتے ہیں۔ جب کہ اللہ کے نبی برحق نے ان پر جرح و تنقید سے منع فرمایا اور ان پر جرح و تنقید کو خود اپنے اوپر جرح و تنقید قرار دیا۔ نیز فرمایا کہ ان کے ساتھ دوستی و دشمنی دراصل میرے ساتھ دوستی و دشمنی ہے اور میرے ساتھ دشمنی خدا کے ساتھ دشمنی ہے اور خدا اپنے دشمنوں کو عنقریب اپنی گرفت میں لے لے گا۔

نیز آپ نے ان حضرات پر زبانِ طعن دراز کرنے سے منع فرمایا۔ کہ اگر تمہارے سامنے کوئی اس قسم کی بات کرے تو اس پر لعنت کرو۔ اور جو لوگ ان کے خلاف غلط باتیں سنیں اور پھر بھی حقیقت بیان نہ کریں تو فرمایا اس قسم کے عناصر اللہ، فرشتوں اور عام لوگوں کی لعنت کا مورد بن جاتے ہیں اور ان کی کوئی عبادت عنداللہ قابل قبول نہ ہوگی۔

عزیزان مکرم! صحابہ علیہم الرضوان ہمارے محسن ہیں۔ انہوں نے ہر قسم کی تکالیف برداشت کرکے

اور دکھ سہہ کر بھی دین سے منہ نہ موڑا اور پھر دین کی اشاعت و تبلیغ اور اس کی ایک ایک جزئی کو بحفاظت آئندہ نسلوں تک پہنچانے کے لیے بے پناہ قربانیاں دیں۔ دور دراز کے علاقوں میں گئے۔ بھوک اور تشنگی، گرمی اور سردی الغرض سب کچھ برداشت کیا لیکن دینی نقطۂ نظر سے اپنی ذمہ داریاں پوری کیں۔

انہوں نے جناب نبی کریم علیہ السلام سے جو کچھ سیکھا اس کو من وعن محفوظ رکھا اور اسے اسی طرح آئندہ نسلوں تک پہنچایا۔

احسان جس کا تذکرہ احادیث اور خصوصاً حدیث جبریلؑ میں ہے کے متعلق پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ اس میں جو لفظ احسان ہے اس کی مروجہ تعبیر تصوف ہی سے کی جاتی ہے اور جس طرح زندگی کے باقی تمام مسائل سے متعلق حضور علیہ السلام نے ایک واضح تصور دیا اور اپنے قدسی عمل سے اس کی آسان صورتیں ملت و امت کے سامنے رکھیں یہی حال تصوف و احسان کا ہے۔ اس سلسلہ میں بھی آپ نے واضح رہنمائی فرمائی اور اسی رہنمائی کو حضرات صحابہ کرامؓ نے اور آگے بڑھایا۔

تصوف کے سلاسل اربعہ یعنی نقشبندی، قادری چشتی، سہروردی ہیں جو دنیا میں زیادہ معروف ہیں اور جن کے متعلق اکابر علماء و صلحاء ملت کی پختہ تلی رائے ہے۔ ان سلاسل اربعہ کے مشاغل، ذکر و فکر کے طریقے اور سلوک کے انداز کوئی نئی چیز نہیں۔ ساری ہی چیزیں حضرات صحابہ کرامؓ سے منقول ہیں۔

حالات کا فرق ایک قدرتی بات ہے اور اس سلسلہ میں پہلے بھی عرض کیا گیا کہ حضور علیہ السلام کی ایک نگاہ کیمیا اثر دلوں کے میل کچیل کو صاف کر دیتی ہے۔ بعد کے ادوار میں ریاضت و محنت کی ضرورت پڑی اور آج کے دور میں مراقبہ، ذکر و شغل، اسباق کا پڑھنا، یاد کرنا اور پھر انہیں شیخ کے سامنے دہرانا وغیرہ [illegible] ہی معاملات ہیں

سب کے سب ایسے ہیں جنہیں قرب خداوندی کے اسباب و ذرائع کہا جا سکتا ہے۔

اس لیے کہ زندگی کا اصل مقصد قرب و رضاء الٰہی ہے۔ اس کے لیے دوڑ دھوپ وسائل و ذرائع اختیار کرنا از بس ضروری ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مجلس ذکر کا جو طریق اختیار فرمایا تھا وہ تمام قباحتوں سے پاک ہے۔ نماز کے بعد ذکر بالجہر کا سوال ہی نہیں اور نہ اس پر کسی قسم کی بحث کی ضرورت ہے سوال تو صرف اس کا ہے کہ یاد الٰہی کا ایک بہانہ درکار ہے چونکہ بیرونی علاقوں سے تعلق رکھنے والے حضرات شیخ کے پاس ہر وقت نہیں پہنچ سکتے اس لیے کچھ وقفہ کے ساتھ ملاقات اور مل جل کر یاد الٰہی کا ایک طریق ہے اس پر ناک بھوں چڑھانا یا اسے خلاف اسلام و سنت قرار دینا ایک طرح کی زیادتی ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید اطمینان قلب کا نسخہ یاد الٰہی قرار دیتا ہے۔ خداوند قدوس اپنی یاد کی تلقین و حکم فرماتے ہیں۔ حضور علیہ السلام ذکر و یاد الٰہی میں ہمہ وقت محو و مشغول رہتے تھے ایسے میں شیوخ وقت اور اکابر سلسلہ اپنے اپنے طور پر مجالس ذکر کا اگر اہتمام کریں تو انہیں خلاف سنت کہنا یا صحابہ علیہم الرضوان کے آثار و روایات کے منافی سمجھنا محض کور باطنی ہے۔

اللہ رب العزت ہمیں اپنی یاد کی توفیق عطا فرمائے اور اپنے نام کی لذت نصیب فرمائے۔

ضروری اعلان

جمعیۃ علماء اسلام پنجاب کے ناظم عمومی سید نیاز احمد شاہ صاحب ۲۹ رمئی ۷۵ء کو لائلپور تشریف لا رہے ہیں۔ آپ اسی دن بعد نماز عشاء دفتر جمعیۃ واقع بٹ بلڈنگ سرکلر روڈ میں جمعیۃ کے ارکان مجلس عمومی سے خطاب فرمائیں گے۔ جب کہ ۳۰ رمئی کی صبح حلقہ ڈھڈی والا کے دفتر کا افتتاح کریں گے اور جمعہ پرتاب گڑھ میں پڑھائیں گے۔

تذکرۂ اسلاف

قسط ۔ ۱

حضرتِ مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ

محمد سعید الرحمٰن علوی کے قلم سے

قصص الاولین عبر للاخرین ایک واضح حقیقت ہے یعنی پہلوں کی حکایات اور حالات پچھلوں کے لئے سرمایہ عبرت ہیں ! اس نقطہ نظر سے میں نے قلم اٹھانے کی جسارت کی ہے تاکہ ابناء ملت کے سامنے اسلاف امت کے حالات آسکیں اور انہیں معلوم ہوسکے کہ ہمارے گرامی مرتبت رہنماؤں نے بھولی بھٹکی انسانیت کے لیے کس طرح اندھیریوں میں شمع ایمان فروزاں کی اور کس طرح حالات کی نامساعدت کے باوجود اپنا سفر جاری رکھا اس نقطہ نظر سے جب لکھنے کا خیال آیا تو میں نے اپنے لئے برصغیر سے متعلق بعض جلیل القدر ہستیوں کا انتخاب کیا کیونکہ یہ خطہ مخصوص حالات کے پیش نظر ایک خاص اہمیت کا حامل ہے البتہ عام ذہن سے ہٹ کر اس کام کی ابتدا الف ثانی کے مجدد کبیر حضرت الامام الشیخ احمد سرہندی قدس سرہٗ سے کر رہا ہوں۔

عام ذہن تو یہی ہے کہ جب برصغیر پر کوئی صاحب کچھ لکھتے یا کہتے ہیں تو حضرت الامام الشاہ ولی اللہ محدث دہلوی قد سرہ سے ابتدا کرتے ہیں لیکن میں نے فیلسوف اسلام سے پہلے ابتدا کی ہے اور اس کی وجوہات ہیں۔ ان وجوہات کا بنظر غائر جائزہ لینے کے لئے آپ کی توجہ حکمت ولی اللہی کے سب سے بڑے شارح مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی طرف مبذول کراتا ہوں۔

حضرت امام انقلاب نے اپنی معرکۃ الاراء کتاب تحریک ولی اللہی میں ان دو باکمال ہستیوں کے باہمی ربط پر گفتگو کرتے ایک عجیب بات ارشاد فرمائی آپ نے فرمایا کہ اس تحریک کے مؤسس اول حضرت امام ربانی قدس سرہٗ ہیں جبکہ مؤسس ثانی حضرت الامام الشاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ ہیں۔

مولانا نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ اکبر اعظم جس کے الحاد کے خلاف شیخ سرہندی نے جہاد کیا ابتدا میں خدا ترس، دیندار اور بڑی خوبیوں کا مالک تھا اور اس حقیقت کا اظہار بدایونی صاحب کی معرکۃ الاراء تاریخ سے بھی ہوتا ہے لیکن ملا مبارک کے خاندان کی جاہ طلبی اور دنیا پرستی بادشاہ کے بگاڑ کا سبب بنی اور وہ اس موڑ پر آگیا اس کی اصلاح کے لئے حضرت امام ربانی نے جد و جہد کی اس کے بعد اس کے بیٹے جہانگیر سے معرکہ آرائی رہی حتیٰ کہ جہانگیر تائب ہوگیا شاہ جہاں کا تو حضرت سے باقاعدہ رابطہ تھا یعنی وہ روحانی نسبت رکھتا تھا اور بعد میں غازی اورنگ زیب عالمگیر کا فضل و کمال خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ کی نگاہ فیض کا صدقہ تھا اس موڑ پر خاندان ولی اللہی سامنے آتا ہے اور پھر اورنگ زیب کے بعد حالات نے جو پلٹا کھایا اور ملت ضعف و اضمحلال کا شکار ہوئی تو اس کے تحفظ و بقاء، نئے عوارض کی تشخیص اور ان کے شافی علاج کیلئے حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ نے بھرپور جد و جہد کی۔ اس طرح اس پوری تحریک کی کڑیاں مولانا سندھی ملاتے ہیں اور اس پر دلائل قائم فرماتے ہیں (برہان اہل مئی ۱۹۴۳ء)

اس کے علاوہ بھی اگر غور سے دیکھا جائے تو وہ طاقتیں جو اس ملک کو الحاد و دہریت کے حوالہ کرنا چاہتی تھیں حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ سے بہت پہلے جنم لے چکی تھیں بلکہ انگریز کی کسی نہ کسی طریق سے آمد و رفت بھی جاری تھی ایسے میں اس وقت حضرت شیخ سرہند نے جو خدمت سرانجام دی وہ مثالی خدمت ہے حقیقت یہ ہے کہ آپ اگر اس طرح میدان کارزار میں نہ کودتے تو ملک کا نقشہ مختلف ہوتا دینی قوتیں دم توڑ جاتیں اور پچھلے گرداب بلا کا شکار ہو جاتے۔ اس لئے میں نے ابتدا مجدد سرہند سے کی ہے اور ان کا سوانحی خاکہ، ماحول ان کی جد و جہد وغیرہ پر گفتگو کرنے

سے پہلے ان کی سیرت کے اس درخشاں پہلو پر اظہار خیال کرنا مناسب سمجھا ہے جس کا عنوان مجدد الف ثانی ہے۔

بقول حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیو بند۔

حضرت مجدد صاحب کی تاریخی حیثیت سے کتنی ہی طویل و عریض سوانح لکھ لی جائے لیکن ساری سوانح حیات کی وہ روح جس سے ان کی ذات گرامی دنیا میں آفتاب بن کر چمکی اور آج بھی اپنے اندر وہی جذب مقناطیسی کا اثر رکھتی ہے صرف ایک ہی صفت جمیلہ ہے جو ان کے اس لقب مجدد سے نمایاں ہے۔"

اس کے بعد حضرت قاری صاحب نے اپنے مخصوص حکیمانہ انداز میں منصب تجدید کی دینی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے وہ فرماتے ہیں :۔

کسی ذات کا مجدد مان لینا اس کے غیر معمولی کمالات علمیہ و عملیہ کا اقرار کر لینا ہے۔ کیونکہ تجدید دین کا منصب اصلی تو انبیاء علیہم السلام کا ہے اور پھر اس میدان کے مرد وہ ہیں جو نبوت کے ترکہ کے وارث بن کر اس سے کوئی غیر معمولی حصہ پائیں۔ پس جس طرح کسی ذات کو نبی مان لینے سے اس کے لئے تمام بشری کمالات کا اقرار خود بخود لازم ہو جاتا ہے۔ اس طرح کسی کو مجدد تسلیم کر لئے جانے سے اس میں وراثت نبوت کے غیر معمولی حظوظ کا اعتراف بھی خود بخود ہی لازم ہو جاتا ہے۔

حضرت قاری صاحب کے ان خیال افروز ارشادات کی بنیاد قرآن و سنت ہے اور وہ یوں کہ جس طرح انبیاء علیہم السلام کے لئے یہ حقیقت تسلیم شدہ ہے کہ ان کو منصب نبوت کسی شخصی جد و جہد یا اجتماعی و جماعتی تجویز سے نہیں ملتا بلکہ وہ خالص موہبت الٰہی ہے بعینہٖ حال مجددین امت کا ہے نبی کے متعلق قرآن نے جو لفظ ارشاد فرمائے مجدد کے لئے حدیث میں وہی الفاظ موجود ہیں۔

ھو الذی بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا الآیہ نبی سے متعلق ہے تو اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَاْسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا (ابوداؤد) مجدد سے متعلق ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مجددیت، نبوت کا ایک نہایت روشن اور درخشاں پرتو ہے اس لئے مجدد علم و عمل کے لحاظ سے نبی کا سایہ اور اخلاق و ملکات کے لحاظ سے نبی کا نمونہ ہوتا ہے۔ (الفرقان مجدد نمبر)

البتہ فرق مراتب کے مسلمہ اصول کے پیش نظر یہ بات ذہن میں رکھیں کہ

فرق اگر ہے تو یہ کہ نبوت اصل ہے اور تجدید اس کا ظل وہاں (نبوت میں) الہام قطعی ہے جس کو وحی کہتے ہیں یہاں ظنی! اس کا منکر خارج از اسلام ہے اس کا منکر خارج از صلاح و تقوی (الفرقان)

اس اصول مسلمہ کے مطابق آپ کو ہر صدی میں مجدد ملیں گے۔ جنہوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں کے پیش نظر دین کے چشمہ صافی کو ان تکدرات سے پاک کیا جو بوالہوس اور اغراض پرست لوگوں کی شرارتوں اور کج فکریوں کا شاخسانہ تھے

بلکہ حضرت الامام شاہ ولی اللہ قدس سرہ ایسے محقق حضرات کا ارشاد ہے کہ ایک صدی میں ایک ہی مجدد ضروری نہیں زیادہ بھی ہو سکتے ہیں بلکہ ہوئے ہیں جنہوں نے مختلف شعبہ ہائے دین میں تجدیدی خدمات سر انجام دیں۔

البتہ یہ حقیقت اٹل ہے کہ جامع فنون قسم کا مجدد جس کی شان تجدید ہمہ گیر ہو حضرت شیخ سرہندی رحمہ سے پہلے دنیا کو نصیب نہیں ہوا اس کے ساتھ دوسری فخر و مباہات کی بات یہ ہے کہ آپ کے وجود با وجود سے قبل برصغیر اس منصب عالی سے خالی رہا لیکن آپ کے بعد یہ سلسلہ یہیں کا ہو کر رہ گیا۔

علاوہ ازیں جو بات آپ کے کلاہ افتخار کے لئے سب سے زیادہ باعث شرف و بعد ہے وہ یہ ہے کہ الف ثانی کے مجدد ہیں کیونکہ "الف اول" میں خود حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی موجود تھی اور آپ نے اپنی امت کی خیریت سے متعلق دو خبریں ارشاد فرمائیں پانچ سو سال اور ہزار سال (دیکھیں کتب احادیث)

پانچ سو سال کے بعد فتنہ تاتار کا ظہور ہوا جس سے خیریت امت ہی نہیں وجود امت خطرہ میں پڑ گیا لیکن محافظ حقیقی نے خدمت اسلام کا جذبہ صادقہ انہیں "دشمنوں" کے دل میں پیدا فرما دیا نتیجۃً وہی تاتاری خلافت عثمانی کے علمبردار بن کر خادم اسلام بن گئے۔

اس کے بعد حالات نے جو پلٹا کھایا تو گلشن اسلام میں نئی رونق آ گئی تاہم ہزار سال پورے ہونے تک اگر ایک

طرف اغیار کی کوششیں تخریب امت کے درپے تھیں تو دوسری طرف خود اندرونی طور پر دین سے متعلق بے پروائی کا دور دورہ تھا رسومات شرکیہ اور محدثات شیعہ نے اسلام کے چشمہ صافی کو ایسا گدلا کیا کہ زمہ چلی جی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ارشاد مقدسہ کا تاریخی نقطۂ نظر سے جائزہ لیا جائے تو گیارہویں صدی کا آغاز امت کے حق میں اندرونی و بیرونی اور مذہبی و سیاسی فتن و آفات کا ایک پیش خیمہ تھا۔ اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ ظاہری اور باطنی کوئی مرض ایسا نہیں جس کی تخم ریزی قلوب امت میں نہ ہو چکی ہو۔

ایسے وقت میں کشتیٔ اسلام کو گرداب بلا سے نکال کر ساحل مراد تک پہنچانے کے لئے جس قسم کے مجدد اور رجل رشید" کی ضرورت ہو سکتی ہے وہ ظاہر و باہر ہے مرض کی نوعیت جس قسم کی ہوتی ہے ازالہ مرض کے لئے اس سے کہیں بڑھ کر اسباب و وسائل مہیا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

جب ملت کے سر پہ آفات و فتن کے تاریک سائے پڑ چکے تھے تو قدرت نے خاک سرہند سے ایک رجل رشید کو کھڑا کیا جس نے تہی دست و تہی داماں ہونے کے باوجود طاغوتی طاقتوں کا پیہم مقابلہ کیا اور ہر محاذ پر ڈٹے ہوئے شیاطین الانس والجن کو چاروں شانے چت گرا کر اسلامی ہند میں اسلامی اقدار و روایات کا پھریرا لہرایا۔ خاک سرہند سے متعلق علامہ اقبال کا یہ ارشاد ہے:

وہ خاک کہ ہے زیر فلک مطلع انوار

اور ؎

اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحب اسرار

کتنا صحیح اور درست ہے۔

نیز حضرت مجدد قدس سرہٗ کے متعلق یہ بات کہ ؎

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

صحیح واقعاتی تصویر ہے۔

آئندہ چل کر جب اس دور کی گھناؤنی تصویر شاہان وقت، علماء سوء اور پیران سیاہ باطن کی تثلیث کی شرانگیزی و فساد انگیزی سامنے آئے گی تب آپ کو اندازہ ہوگا کہ موصوف اہل اسلام اور بالخصوص اسلامیان ہند کے کتنے بڑے محسن ہیں اور انہوں نے کتنا بڑا کارنامہ سرانجام دیا۔

واقعہ یہ ہے کہ اگر وہ اس دور میں ملت کی دستگیری نہ کرتے تو آج یہاں کا نقشہ مختلف ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی بے پایاں رحمتیں نازل فرمائے اور اہل اسلام کی طرف سے ان کو اجر جزیل عطا فرمائے۔

بقیہ: شذرہ

اسلام کی خدمت قرار دیا جاتا ہے۔

برائی اپنا راستہ یونہی تلاش کر لیتی ہے کہ ابتداء میں شیطان بُرے اعمال و افعال کو بڑے حسین پیرایہ میں دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے اور دھیرے دھیرے نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ حیا و بے حیائی، شرم و بے شرمی کی دیواریں منہدم ہو جاتی ہیں۔ اور انسانیت سر پیٹ کر رہ جاتی ہے۔

آج ہمارا ملک جن جرائم و مفاسد کا بری طرح شکار ہے اس کی ایک بڑی وجہ سینماؤں وغیرہ کا وجود ہے اور اس لعنت سے جتنی جلدی چھٹکارا حاصل کیا جائے اتنا ہی بہتر ہے۔ ورنہ حالات کی سنگینی ماں اور بیٹی، بہن اور بہو کے تقدس کو پامال کر کے رکھ دے گی لیکن اس وقت کا شور کسی مسئلہ کا حل نہیں ہوگا۔

خدا ہمیں فہم صحیح نصیب فرمائے۔

انتقال پُر ملال

سراج السالکین قبلہ حضرت دین پوری زید مجدہم کی ہمشیرہ محترمہ بعمر ۹۰ سال پچھلے دنوں دین پور شریف میں انتقال فرما گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحومہ عقیدہ کی پختگی اور اعمال و کردار کی بلندی کے لحاظ سے ایک عظیم المرتبت خاتون تھیں۔ آج کے اس دور میں اس قسم کی قدسی صفت خواتین وجود ناپید نہیں تو کمیاب ضرور ہے

ادارہ خدام الدین حضرت اقدس دین پوری بمعیت خاندان کے سب چھوٹے بڑے حضرات کے غم میں برابر کا شریک ہے اور مرحومہ کی مغفرت و ترقی درجات کے لیے دعاگو!

جامعہ ازہر قاہرہ کے محترم استاد ڈاکٹر محمد شوقی الفنجری کا اسلامی اقتصادیات پر ایک گرانقدر مقالہ رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے ماہنامہ رسالہ میں شائع ہوا ہے جسے ہمارے محترم رفیق حافظ مقصود احمد صاحب اردو کے قالب میں قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

اس مقالہ کی بعض جزئیات سے اہل علم کو اختلاف ہو سکتا ہے لیکن چونکہ اقتصادی مسائل کی اسلامی نقطۂ نظر سے وضاحت آج ایک اہم مسئلہ بن چکی ہے اس لئے ہم رابطہ عالم اسلامی کے ماہنامہ کے شکریے کے ساتھ اس مقالہ کو شائع کرتے ہوئے اہل علم کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ بھی اس اہم موضوع پر اظہار خیال فرمائیں تاکہ اس موضوع کا کوئی پہلو اہل علم کی نگاہوں سے اوجھل نہ رہے۔ (ادارہ)

اسلام میں اجتماعی معیشت کا تحفظ

تحریر: الدکتور محمد شوقی الفنجری، قاہرہ

ترجمہ: حافظ مقصود احمد، گکھڑ

اسلام کے اقتصادی نظام کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نظام میں اولیت اس بات کو دی گئی ہے کہ معاشرے کے ہر فرد کو بقدر کفاف ضروریات زندگی میسر آئیں اس ضمن میں کلیتہً ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے۔ مرض یا بڑھاپے کی وجہ سے اگر آدمی کمانے کے قابل نہ رہے تو بیت المال سے اس کی کفالت کی جائے گی۔ عمر رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ہے کہ انہوں نے ایک بوڑھے یہودی کو مانگتے ہوئے دیکھا تو اس کے لیے بیت المال سے وظیفہ مقرر فرما دیا۔ ایسا کرتے وقت ان کی نظر اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات پر بھی (انما الصدقات للفقراء والمساکین۔ سورہ توبہ آیت ۶۰) اور (وفی اموالہم حق للسائل والمحروم۔ سورہ ذاریات آیت ۱۹) نیز ان کے پیش نظر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات بھی تھے کہ جو کوئی مقروض مرے یا یتیم بے سہارا اولاد چھوڑے تو اس کا قرض میں ادا کرونگا اور اولاد کی پرورش میرے ذمہ ہے (صحیحین) ایک اور روایت میں یہی فرمان اس طرح ہے ”جو یتیم اور بے سہارا اولاد چھوڑ مرے تو ان کا والی میں ہوں۔

اسلام انفرادی طور پر بھی ایک مسلمان سے یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ صرف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور دوسرے مسلمان بھائی سے خالی خولی محبت ہی نہ رکھے بلکہ صاحب استطاعت اپنے محتاج بھائی کی مادی طور پر بھی مدد کرے۔ فقہ اسلامی میں حق قرابت، حق ہمسایہ، سائل کا حق، مہمان کا حق، واجب صدقات اور انفاق فی سبیل اللہ پر بہت زور دیا گیا ہے گویا کہ انفرادی طور پر اسلام تکافل اجتماعی کا داعی ہے۔ اور حکومت پر اجتماعی معاشرت کے تحفظ کی ذمہ داری عائد کرتا ہے۔

حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ ہر فرد کو بقدر کفایت ضروریاتِ زندگی مہیا کرے۔ یہ حد ہر ملک کے لحاظ سے مختلف ہو سکتی ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ بدل بھی سکتی ہے۔

اسلامی نظام معیشت میں اس اجتماعی معاشرت کے تحفظ کو جو مقام حاصل ہے وہ اس فرمان خداوندی سے ظاہر ہے (ءَرَاَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ

بالدین ہ فذالک الذی یدع الیتیم ولا یحض علی طعام المسکین - الماعون اور فرمان خداوندی ہے (لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من اٰمن باللہ والیوم الاخر والملٰئکۃ والکتاب والنبیین، واٰتی المال علی حبہ ذوی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب واقام الصلوٰۃ واٰتی الزکوٰۃ ۵)

گویا جو یتیموں اور محتاجوں کی مدد نہیں کرتا وہ خدا اور رسولؐ کا منکر ہے اور جب تک کوئی فقراء اور محتاجوں کی مدد نہیں کرتا اس کی کوئی نیکی نیکی تصور نہیں ہوتی - حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے - وہ شخص مومن نہیں ہے کہ جو خود تو پیٹ بھر کر سوئے اور اس کا ھمسایہ بھوکا رات کاٹے اور یہ چیز اس کے علم میں بھی ہو — ۶) نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ (اگر کسی بستی میں کوئی شخص بھوکا سویا رہا تو اس بستی کے بارہ میں اللہ اور اس کا رسول بری الذمہ ہیں - مسند احمد مستدرک حاکم)

حقوق میں سب سے فائق اللہ تعالےٰ کا حق ہے اور اس کے بعد مقدس حق جو اسلامی حکومت اور تمام افراد کو شامل ہے وہ افراد کی معیشت کی ضمانت ہے اگر ضرورت بن پڑے تو کم حیثیت لوگوں پر بھی فرض عائد ہو جاتا ہے کہ اپنی ضروریات سے زائد ان لوگوں کو دے دیں جو واقعی اس مدد کے مستحق ہیں - ارشادِ خداوندی (یسئلونک ما ذا ینفقون - قل العفو - بقرہ آیت ۱۹) کا یہی مطلب ہے - حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اشعری قبیلہ والوں کی اسی وجہ سے تعریف فرمائی ہے کہ جب کبھی سفر یا حضر میں غلہ کی کمی ہو جاتی تو تمام لوگ اپنا غلہ ایک کپڑے میں جمع کر دیتے اور پھر سب برابر تقسیم کر لیتے - چنانچہ یہ لوگ مجھ میں سے ہیں - اور میں ان میں سے ہوں - (صحیح بخاری ومسلم)

۵ سورۃ البقرہ آیت ۱۷۷ - ۶ اخرجہ الطبرانی والبیہقی

اسی ارشاد کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے - (میری انتہائی خواہش ہے کہ ہم ایک دوسرے کی ضروریات کے کفیل بن جائیں - اور جب ایسا نہ ہو سکے تو اپنے خورد ونوش کو یکجا کر کے بقدر کفاف برابر تقسیم کر لیں - (عمر بن الخطاب از ڈاکٹر سلیمان محمد طمساوی قاہرہ)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ مذکورہ بالا حدیث کی روشنی میں فرماتے ہیں (مجھے اس شخص پر تعجب ہوتا ہے کہ جب اسے گھر میں کھانے کو کچھ نہیں ملتا تو تلوار لے کر لوگوں پر ٹوٹ کیوں نہیں پڑتا (ابوذر غفاری از عبد الحمید جودہ مکتبہ مصر -

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث سے ایک نہایت دقیق فقہی مسئلہ استنباط فرماتے ہیں - ان کا مشہور مقولہ ہے "فقراء کا لوگوں کے مال میں اصولی طور پر حق ہے - ضرورت پڑنے پر امیر اور فقیر کے درمیان مال کو مشترک قرار دیا جا سکتا ہے"۔

اجتماعی معاشی تحفظ دلانے میں زکوٰۃ کو بنیادی حیثیت حاصل ہے - اسلامی حکومت کے عہد اول میں زکوٰۃ کا مصرف فقراء کی مجرد حاجت روائی نہ ہوتا تھا بلکہ زکوٰۃ اتنی مقدار میں دی جاتی کہ اس رقم سے وہ شخص تجارت کر سکتا تھا - یا اگر کوئی صنعت وغیرہ جانتا ہوتا تو اس سے آلات وغیرہ خرید سکتا تھا - اس سے بھی بڑھ کر عمر رضی اللہ عنہ نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ ہر پیدا ہونے والے بچے کا ایک درھم وظیفہ مقرر کر دیا - اور جوں جوں بچہ بڑا ہوتا جاتا وظیفے کی مقدار میں اضافہ ہوتا رہتا -

اسلام کے نزدیک زکوٰۃ یعنی اجتماعی کفالت کی ضمانت، نماز کے بعد سب سے اہم رکن ہے — قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے (واقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ - سورۃ بقرہ آیت ۸۳)

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص زکوٰۃ دینے کی خواہش نہیں رکھتا اس کی نماز قبول نہیں ہوتی - حضرت ابا بکرؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف کے بعد سب سے پہلی جو جنگ لڑی ہے وہ

معاشرے کو معاشی تحفظ دلانے کے لیے ہی لڑی تھی۔ جب چند قبائل عرب نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ تو خلیفہ اوّل رضؓ نے ان لوگوں کے خلاف جہاد کیا۔ ان کی اس کارروائی پر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعتراض کیا کہ آپ ان لوگوں کے خلاف کیسے لڑ سکتے ہیں حالانکہ وہ مسلمان ہیں، اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور نمازیں ادا کرتے ہیں۔ تو ابوبکر رضی اللہ عنہ بڑے عزم اور صمیم قلب سے جواب دیتے ہیں (خدا کی قسم، میں ہر اس شخص کے خلاف جہاد کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق سمجھتا ہے) حضرت عمرؓ کو بات سمجھ آ گئی اور بعد میں فرمایا کرتے تھے (خدا کی قسم، میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے صدیق اکبرؓ کا سینہ جہاد کے لیے کھول دیا ہے اور میں نے جان لیا کہ یہی حق ہے)

صدیق اکبرؓ کے اس عمل سے معلوم ہوا، کہ ادائے زکوٰۃ ایسا فریضہ نہیں جو صاحب زکوٰۃ کی اپنی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہو۔ بلکہ اسلامی حکومت کا یہ اہم فریضہ ہے کہ وہ مالداروں سے زکوٰۃ وصول کر کے مستحقین میں تقسیم کرے۔ یہ حکم اس آیت سے مستفاد ہے (انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیها والمؤلفة قلوبهم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل الله وابن السبیل فریضة من الله (سورۃ توبہ آیت ۶۰)

زکوٰۃ کی شرح راس المال کا ۲،۵٪ اور کوشش کے دخل یا عدم دخل کی بنا پر ۵٪ اور دس فیصد تک ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے (باراتی فصل کی زکوٰۃ عشر یعنی ۱۰٪ ہے اور چاہی یا نہری فصل کی زکوٰۃ نصف عشر یعنی ۵٪ ہے۔ (متفق علیہ) (دفینہ اور معدنیات کی زکوٰۃ ۲۰٪ ہے۔ حاشیہ ابن عابدین جز ۲ ص ۵۹)

یہ مانی ہوئی بات ہے کہ زکوٰۃ کی یہ شروح ۲،۵٪ سے لے کر ۲۰٪ فرائض میں داخل ہے لیکن جب یہ مقدار اجتماعی کفالت کے لیے پوری نہ ہو سکے تو حکومتِ وقت اس سے زیادہ مقدار بھی وصول کر سکتی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے "اللہ تعالیٰ نے اغنیاء پر فرض قرار دیا ہے کہ وہ اپنے مال میں سے اتنا دیں کہ فقراء کے لیے کافی ہو سکے۔ محلی لابن حزم)

امام ابن حزمؒ نے اس سے یہ استنباط کیا ہے کہ (ہر شہر کے اغنیاء کا یہ فرض ہے کہ وہاں کے فقراء محتاجین کی ضروریات کے لیے رقم نکالیں۔ اگر وہ ایسا کرنے سے گریز کریں اور زکوٰۃ کی مد میں سے اخراجات پورے نہیں ہوتے تو سلطان ان سے جبراً وصول کرے گا۔ (مرجع سابق)

یہ تو بالکل ظاہر بات ہے کہ نصابِ زکوٰۃ کی مقدار وہ ہے جو صاحبِ نصاب کی ضروریات سے زائد ہو اور زکوٰۃ صرف غیر حاجتمند پر ہی فرض ہوتی ہے۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ حاجاتِ ضروریہ کو پورا کرنے کے لیے کاروبار میں لگی ہوئی رقم کو معدوم قرار دیا جائے گا۔ ہاں جو اس سے زائد ہو اس میں سے زکوٰۃ وضع کی جائے گی۔ جس شخص کے پاس حدِ کفالت سے کم رقم ہو گی۔ وہ زکوٰۃ میں سے بقدرِ کفالت لینے کا مستحق ہو گا۔

جیسے کہ پہلے بیان ہو چکا ہے حدِ کفایت یعنی نصابِ زکوٰۃ اختلاف زمان و مکان سے مختلف ہوتی رہتی ہے۔ چنانچہ مقننہ کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ یہ اسلامی شہر میں نصابِ زکوٰۃ کا تعین کرے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جس پر تمام اسلامی ممالک کو اس بارہ میں سوچنا چاہیے اور حالات کے پیش نظر نصاب اور اس کے مستحقین کے متعلق فیصلہ کرنا چاہیے۔

صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے متعلق مروی ہے کہ (وہ زکوٰۃ ایسے شخص کو بھی دیا کرتے تھے جو دس ہزار درہم کی مالیت کے گھوڑے گھر، اسلحہ اور خادموں کا مالک ہوا کرتا تھا۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ یہ چیزیں حوائج ضروریہ میں

داخل ہیں اور انسان کا ان کے بغیر گزارہ نہیں (حاشیہ ابن عابدین، جز ۲ صفحہ ۵۹)۔ اور جب امام احمد بن حنبلؒ سے ایسے شخص کے بارہ میں سوال کیا گیا۔ جس کے پاس گھریلو اثاثہ یا صنعت کے ایسے اوزار تھے جن کی قیمت دس ہزار درہم کے برابر یا قدرے کم و بیش ہو لیکن وہ اپنے اہل و عیال کی کفالت نہ کر سکتا ہو تو انہوں نے فرمایا کہ وہ زکوٰۃ لے سکتا ہے۔ (المغنی ج ۲ ص ۵۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام کے مزاج کو سمجھتے ہوتے فرمایا تھا "جب تم کسی کو زکاۃ دو تو اس کو غنی کر دو"۔ پھر یہاں تک کیا کہ جس سال سردی کی فصلیں تباہ ہو گئیں تو اس سال بجائے چالیس بھیڑوں کے سو بھیڑ پہ زکوٰۃ لینے کا حکم نافذ فرمایا۔ کیونکہ بھوک اور سردی کی وجہ سے یہ اتنی لاغر ہو چکی تھیں کہ سو بھیڑ منافع کے لحاظ سے بمشکل چالیس بھیڑوں کے برابر ہو پاتی تھیں۔ (الاموال لابی عبید ص ۳۷۴)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا ہے (کسی مسلمان کے لیے ایک گھر کے بغیر چارہ نہیں۔ ایک خادم اس کی ضروریات میں سے ہے۔ اسے ایک گھوڑا دشمن کے ساتھ جہاد کرنے کے لیے ضروری چاہیے اور گھر کے اخراجات کے لیے بھی اس کے پاس رقم ہونی چاہیے۔ ایسے آدمی کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔ (الاموال)

موجودہ جنرل انشورنس (بیمہ) کا نظام

اوّلاً اسلام نے نافذ کیا

عام طور پہ یہ تأثر دیا اور لیا جاتا ہے کہ بیمہ کا نظام عصرِ حاضر کی ایجاد و اختراع ہے اور اسے صنعتی انقلاب اور اقتصادی مسائل کا حل بتایا جاتا ہے۔ اور یہ کہ اسلام نے اس بارہ میں کچھ نہیں کیا۔ حالانکہ آج سے چودہ سو سال قبل اسلام نے انسانی حاجات کو پورا کرنے کا مکمل ضابطہ

بیان فرمایا۔ اور اگر کوئی شخص وسائل کے فقدان کی وجہ سے ہلاک ہو جاتے تو پورا معاشرہ تکذیبِ دین اور خدا دشمنی کا مرتکب گردانا جائے گا۔ اس ضمن میں امام ابن حزم نے فرمایا کہ ضرورت کے وقت بھوکے آدمی کو اس بات کی اجازت ہے کہ اپنا کھانا چھین کر لے لے اور جو اس کو منع کرے اس سے لڑے (اگر بھوکا اس لڑائی میں مارا جائے تو اس کے قاتل کو قصاص دینا پڑے گا۔ اور اگر منع کرنے والا مارا جائے تو اللہ کی لعنت ہو گی اس پہ۔ اور اس کی دیت نہیں ہے کیونکہ اس نے حقدار کو حق لینے سے منع کیا اور باغی گروہ میں سے ہے۔ (المحلی)

مفکر اسلام مالک بن بنی جزائری نے فلسفۂ اسلام کی روح اس طرح بیان کی ہے کہ:

"میں نماز کیسے پڑھوں مجھے تو بھوک لگی ہوئی ہے"۔

میرا تو یہ اعتقاد ہے کہ اگر یہ دیکھنا ہو کہ کوئی معاشرہ دین سے کتنا قریب یا دور ہے تو اس کے افراد کو دیکھیں کہ بقدر کفایت کہاں تک ان کی ضروریات پوری ہو رہی ہیں۔ اسلام ایسے تمدن کا تصوّر بھی نہیں کر سکتا جس میں بعض لوگ قوتِ لایموت کو ترستے ہیں بلکہ اسلام کی سیاست کا مرکزی نقطہ یہ ہے۔ کہ جس طرح عبادت اللہ کا حق ہے قوتِ لایموت ہر فرد کا حق ہے اور پھر جب معاشرہ میں ایسے فقراء نہ رہیں تو اس پر ثروت کا اطلاق ہو سکتا۔ ایسے ہی ماحول کے متعلق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا (لا بأس بالغنی لمن اتّقی)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی بات کے پیشِ نظر فرمایا تھا:

"میری یہ دلی خواہش ہے کہ میں لوگوں کی ضرورت کو پورا کیے بغیر دم نہ لوں اس میں لوگ ایک دوسرے کی مدد کریں لیکن جب ایسا ممکن ہو تو پھر سب لوگوں



میں مسلمان ہوں
اور فخر سے اعلان
کرتا ہوں کہ میں
مسلمان ہوں

ملک عنایت اللہ نسیم سوہدروی (علیگ)

ایک مقامی ہفت روزہ کی ایک گزشتہ اشاعت کے اداریے میں شیخ عبداللہ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ کو جن الفاظ سے نوازا گیا وہ انتہائی تکلیف دہ اور غیر ذمہ دارانہ اور دور از حقیقت ہیں اس کے فاضل ایڈیٹر جو مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر اس ناگفتہ بہ انداز میں کر رہے ہیں، اس وقت عالم کتم سے عالم وجود میں بھی نہ آئے تھے جب مولانا آزادؒ نے اس بت کدے میں نعرۂ حق و صداقت بلند کیا اور یہ وہ وقت تھا جب اچھوں اچھوں کی زبانیں بھی ذکر حق کے نام سے گنگ ہو جاتی تھیں اگر مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ کی کانگرس میں شرکت جرم عظیم ہے تو کون سا ایسا رہنما تھا جو کانگرس میں شریک نہ ہوا۔ یہ درست ہے کہ بعض رہنما ہندو کی روش سے بددل ہو کر کانگرس سے علیحدہ ہو گئے اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ وابستہ رہے۔ مولانا کا یہ جرم قابل معافی ہے یا نہیں اور ان کا یہ خیال کہ ہندو کی عصبیت و زہریلی ذہنیت کا کانگرس میں رہ کر ہی مقابلہ کیا جا سکتا ہے یا نہیں، یہ الگ بحث ہے مگر کیا اس وقت دو قومی نظریہ ختم ہو گیا تھا۔ جب قائد اعظمؒ علی برادرانؒ مولانا حسرت موہانیؒ اور مولانا ظفر علیخانؒ کانگرس میں شامل تھے۔

جہاں تک دو قومی نظریے کا تعلق ہے مولانا آزادؒ نے کبھی اس سے انکار نہیں کیا البتہ مولاناؒ کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ برعظیم کی مختلف اقوام کو متحد ہو کر بحیثیت ہندوستانی انگریز سامراج کا مقابلہ کرنا چاہیئے جیسا کہ آج کل پاکستان میں دو قومی نظریے کے دعویدار ہندو، عیسائی، قادیانی اور مسلمانوں کو ملا کر پاکستانی قومیت کے دعویدار ہیں۔ مولانا آزادؒ کے نقطۂ نظر سے اختلاف ممکن ہے راقم خود ان میں شامل ہے، جن کو مولاناؒ کے اس نقطۂ نظر سے اختلاف تھا، مگر انھیں سچائی سے کٹا ہوا یا ہندو کا زرخرید غلام قرار دینا انتہائی اخلاق و شرافت سے گری ہوئی بات ہے۔ بلاشبہ مولاناؒ نے تحریک پاکستان سے اختلاف کیا اور مولانا کا یہ خیال تھا کہ تقسیم ملک مسلمانوں میں صوبائی عصبیت و تعصب کو فروغ دے کر اسلامی اخوت کا خاتمہ کرے گی، جو ہندو کے نامعقول و نامناسب رویے کی وجہ سے قائم ہے اور ہندو ذہنیت کا اصل جواب یہ ہے کہ مرکز کو کمزور کر کے صوبائی آزادی اس حد تک قائم رکھی جائے کہ مسلمان گیارہ صوبوں میں سے پانچ صوبوں کو لیں اور اسی غرض کے لیے ہی مولاناؒ نے کرپس سکیم کے لیے راہ صاف کی۔ جسے مسلم لیگ نے بھی تسلیم کر لیا اس کے بعد خود مولانا تقسیم کی ساری ذمہ داری نہرو اور اس کے ساتھیوں پہ ڈالتے ہیں سوال یہ ہے کہ جب قائداعظم اور مسلم لیگ ۱۶ مئی اسکیم کے حق میں تھے۔ اور مولانا اس کے موید تھے۔ پنڈت نہرو اور گاندھی کے ساتھی اس کے مخالف تھے تو پھر کیا مولانا کو ہندو کانگریس کا حاشیہ بردار قرار دیا جا سکتا ہے اور سچائی سے کٹا ہوا کیسے کہا جا سکتا ہے۔

کیا یہ امر واقعہ نہیں ہے کہ مولانا آزادؒ نے ہی بھارت میں بچے کھچے مسلمانوں کا دفاع کیا اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کو بچایا (جو مولانا کی زندگی تک ہندو عزائم سے محفوظ رہی۔)

پھر مشرقی و مغربی پاکستان کے ہر مسلمان کو تلقین کی:۔

"اب جب کہ پاکستان قائم ہو چکا ہے اس کی حفاظت و استقلال کی ذمہ داری تم پہ عاید ہوتی ہے جو اس خطے میں رہتے ہو۔"

مولانا نے ہندوستان کے قابل و اہل مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ:۔

"وہ پاکستان جا کر اس کو مضبوط بنانے کی پوری کوشش کریں اور ہندوستانی حکومت کو پاکستانی حکومت سے بہتر تعلقات پر زور دیا۔"

یہاں تک کہ جب مولانا مشرق وسطیٰ کے دورے پر گئے تو واپسی پر کراچی آئے

اور قائدِ اعظمؒ کے مزار پہ پھول چڑھائے اور فاتحہ خوانی کی۔ مولانا اکثر فرماتے کہ پاکستان کی حفاظت ہر مسلمان پہ فرض ہے۔

پھر یہ مولانا آزاد ہی تھے جنہوں نے ہمیشہ اپنے مسلمان ہونے پر فخر کیا اور انگریزی حکومت کے سامنے بیان دیتے ہوئے صاف صاف کہا کہ :-

میں مسلمان ہوں اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے میرا فرض ہے کہ میں ظالم کی حکومت کی مخالفت کروں اور یہ ایمان کم سے کم علامت ہے اسلام اور غلامی دو متضاد چیزیں ہیں کبھی یکجا جمع نہیں ہو سکتیں!

دنیا میں حق گوئی و بے باکی کی ایسی مثالیں بہت کم ملتی ہیں کہ جابر حکومت کی عدالت کے سامنے ایسا بیان دیا جائے۔ پھر مولانا نے رام گڑھ کانگریس کے خطبہ صدارت میں صاف صاف کہا :-

میں مسلمان ہوں اور فخر سے اعلان کرتا ہوں کہ مسلمان ہوں۔ اسلام کی تیرہ سو سالہ روایتیں میرے حصہ میں آئی ہیں۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کا چھوٹے سے چھوٹا حصہ ضائع کرا دوں اور اسلام کی "تاریخ"، اسلام کی تعلیم، اسلام کی دولت، اسلام کے تمام اصول، اسلام کی تہذیب میری دولت ہے۔ اور یہ میرا فرض ہے کہ میں اس کی حفاظت کروں۔ مذہبی ثقافت دائرے میں ایک خاص ہستی رکھتا ہوں۔ میں برداشت نہیں کر سکتا کہ اس میں کوئی کسی قسم کی مداخلت کرے"

دہلی میں کانگریس کے خاص اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا

"میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ ان تمام لوگوں کے خلاف اپنی صدا بلند کروں جو ہندو اور سنگھٹن تحریک کے علمبردار ہیں آج کسی سنگھٹن کی ضرورت نہیں جو ہندوانہ تحریک کی حمایت کرتے ہیں مجھے ان کی حیثیت سے قطعی انکار ہے"

شدھی کے متعلق فرمایا :-

"اگر ہندوستان میں اس قسم کی صدائیں اٹھتی رہیں تو کامیابی قطعی محال ہے"

جمعیت علماء ہند کے خطبہ صدارت میں فرمایا :-

حضرات! میں آپ کی توجہ اس جانب مبذول کراؤں گا جیسا میں نے ابھی عرض کیا ہے کہ اس راہ میں شرط کامیابی یہ ہے کہ ہمارا طرزِ عمل خالصتاً وجہ اللہ ہونے سے طریق صواب پہ مبنی ہو آگے چل کر فرمایا :-

میں اپنے سینے میں وہ دل رکھتا ہوں جس کے لیے ہدایت کی کوئی شعاعیں نہیں جو فاطر السموات نے نہ بھیجی ہوں پھر فرمایا اگر اسلام دین کامل ہے تو ضروری ہے اس نے اپنے پیروں کو تمام انفرادی و اجتماعی مدنی ضروریات کے لیے کامل و اتم تعلیم دی ہے اگر دین آخری ہے تو لازمی ہے اس کی تعلیم اور ارشادات کی عملی صورت سنت ہر عہد، ہر زمانے، ہر حالت، ہر مشکل کے لیے راہنما ہو ہمارا یہ ایمان حقیقت پہ مبنی ہے کہ اسلام نے ہماری اجتماعی و قومی برکات کا سامان پیدا کر دیا ہے۔

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مولانا کا اسلام کے متعلق کیا نظریہ تھا کیا تصورات رکھتے تھے اور اس طرح کانگریس کے بھرے اجلاس میں بحیثیت صدر انہوں نے اپنے اسلام کا واضح اعلان کیا یا نہیں انہوں نے کبھی مسلمانی سے عار محسوس نہ کیا یا کبھی اسلامی روایات کو قربان کرنے پہ تیار ہو گئے۔ کیا انھوں نے ساری عمر مسلمانوں کو یہ تلقین نہیں کی کہ ان کی نجات رسول اللہؐ کے اسوہ حسنہ میں ہے اور پوری ملت کو اجتماعیت کا درس دیتے رہے۔

کیا ایسا شخص جو رسول اللہ کے اسوہ حسنہ میں اپنی نجات اور اسلام کو دینِ کامل مانتا ہو اس لائق ہے کہ اس کا مذاق اڑایا جائے۔ سیاسی معاملات میں مولانا کی رائے غلط ہو سکتی ہے اور اختلاف بھی ممکن ہے کیا ایسا اختلاف کچھ لوگ قائدِ اعظمؒ کے متعلق نہیں کرتے کہ انھیں تقسیم پنجاب نہیں کرنی چاہیئے تھی یا انھیں ریڈکلف ایوارڈ غیر مشروط نہیں قبول کرنا چاہیئے تھا اور اگر قائدِ اعظم کی یہ غلطی تسلیم کر لی جائے تو کیا قائدِ اعظمؒ کے خلوص اور دیانت پہ حرف آ سکتا ہے؟

جہاں تک دو قومی نظریے کا تعلق ہے فاضل ایڈیٹر کو علم ہونا چاہیئے مولانا آزادؒ نے کبھی اس سے انکار نہیں کیا، مولانا آزاد نے مسلمانوں کو ہمیشہ ایک ملت سمجھا۔ مولانا آزادؒ اور مولانا مدنیؒ کے متعلق یہ پروپیگنڈہ وطنیت کو ملت پہ مقدم سمجھتے تھے ہر لحاظ سے غلط ہے۔

پروفیسر یوسف سلیم چشتی صاحب جو تحریک پاکستان کے سرگرم کارکن تھے اور اللہ کے فضل سے بقید حیات ہیں خوب جانتے ہیں کہ علامہ اقبالؒ اور مولانا مدنیؒ کے متعلق جو غلط فہمی ہوئی وہ رفع ہو گئی تھی بلاشبہ مولانا مدنیؒ کانگریس میں رہے مگر انھوں نے یہ نہیں کہا کہ قومیں وطن سے بنتی ہیں۔ انہوں نے بھی مسلمانوں کو ایک ملت قرار دیا جو

مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوتا ہے۔"

البتہ تحریک آزادی میں دونوں قوموں کے اشتراک کے قائل تھے جس کے لیے قائداعظم نے بھی کوشش کی مگر ہندو تعصب کی وجہ سے ناکام رہے اور آخر فیصلہ کرنا پڑا کہ دونوں اقوام کا حل تقسیم ملک ہے مگر اس کے باوجود ۱۶ مئی کی سکیم منظور کر کے اس امر کی راہ بھی پیدا کی کہ شاید دونوں قومیں باہمی اشتراک سے رہ سکیں مگر ہندو اس پر تیار نہ ہوتے گویا تقسیم پر ہندو نے اسی لیے صاد کیا کہ شاید اس سے ایسا پاکستان جو نصف پنجاب اور نصف بنگال پر مشتمل ہوگا کامیاب نہ ہو سکے گا۔ مگر مولانا آزاد تو صوبوں کی تقسیم کے قطعی مخالف تھے اس لیے بلاشبہ ایڈیٹر صاحب کو حق حاصل ہے کہ وہ دلائل سے مولانا کے مسلک کی مخالفت کریں جس کا انہیں پورا حق ہے مگر مولاناؒ کو سچائی کا دشمن اور ملت کا غیر وفادار ثابت کرنا درست نہیں اور بہت سی باتیں کہی جا سکتی تھیں مگر یہ موقع اس بحث کا نہیں اس لیے بہتر ہے کہ ہم پاکستان کے تحفظ و بقا کے لیے کوششیں وقف کر دیں۔ جو معاملہ ۲۸ سال میں گھرا ہوا ہے گڑے ہوئے مردے اکھاڑنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ تقسیم کے بعد اگر کسی حلقے سے پاکستان کی مخالفت ہو رہی ہے تو اپنی توجہ ادھر صرف کریں۔ اور بتائیں کسی ایسے عالم دین نے بھی جو کانگرس یا مولانا آزادؒ سے وابستہ رہا ہے تقسیم کے بعد پاکستان کی مخالفت کی؟ پاکستان کو سب سے زیادہ نقصان ان لوگوں نے پہنچایا جو پاکستان کی تحریک میں اعلیٰ مناصب رکھتے تھے یعنی اقتدار کی جنگ نے اس حال پر ملک کو پہنچایا اور اب تو ضرورت ہے کہ ہم سب مل کر اس خطہ ارضی کو بچانے کے لیے اپنی مساعی وقف کر دیں۔ وقت اور حال کا یہی تقاضا ہے اور اس کی واحد صورت یہ ہے کہ اب یہاں عملاً اس نظام کو نافذ کیا جائے جس کے لیے پاکستان بنا۔

افسوس ہے کہ اٹھائیس سال گزر جانے پر بھی ہم اپنے اس وعدہ کو عملی جامہ نہیں پہنا سکے یہی وجہ ہے کہ آج مسلمان دین سے بہت دور ہو گئے ہیں آج غیر اسلامی نظریوں کا پرچار اس ملک میں کیا جا رہا ہے جو بنا ہی اسلامی نظریہ پر تھا۔ جس قوم نے شہید گنج کے سلسلہ میں گولیاں کھائیں آج اس کی حالت یہ ہے کہ بیت اللہ کے انہدام پر بھی جان قربان کرنے والے چند دیوانے ہی ہوں گے کیا اس سے قبل ملتِ اسلامیہ کبھی ان قبائلی، لسانی تعصبات کا شکار ہوئی جیسی آج ہے ضرورت اس امر کی ہے کہ اہلِ دین و محبانِ وطن ہم دردان اسلام اپنی مساعی ادھر صرف کریں تاکہ ہم منزل مقصود پر پہنچ سکیں اور پاکستان مضبوط سے مضبوط ہو۔

(بشکریہ چٹان لاہور۔ ۱۴ اپریل ۱۹۷۵ء)

بقیہ: خطبہ جمعہ

ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس وقت بنک، بیمہ کمپنیاں اور تمام تر معاشی پالیسیاں "سود" کے اردگرد گھومتی ہیں۔ جبکہ لادین اور مذہب بیزار ممالک جنہیں دنیا میں کمیونسٹ کہا جاتا ہے کے یہاں "سود" نام کی کوئی چیز نہیں لیکن مسلم ممالک بالخصوص پاکستان جو نظریاتی ریاست ہے وہ سود کی بند مضبوں کا بری طرح شکار ہے۔

سود کے علاوہ شراب و قمار کی آمدنی ہماری معاشی زندگی کا بہت بڑا حصہ ہے اور ملکی خزانہ اس مد سے بھرتا ہے اس کے علاوہ ہماری تجارت کا کوئی پہلو ایسا نہیں جو انصاف و دیانت اور دین و دانش کی ترازو میں صحیح کہا جائے۔ کچی فصلوں کا بک جانا، باغات میں بور آتے ہی ان کی نیلامی، مال نہیں لیکن سودے ہو رہے ہیں۔ الغرض کس کس بات کا رونا رویا جائے۔

پھر آپس کی خیانت و بد دیانتی، چھینا جھپٹی، چوری و ڈکیتی اور رشوت کی لعنتیں ہمارے معاشرے میں بری طرح سرایت کر چکی ہیں۔ ایسے میں رحمت و برکت خداوندی کی توقع رکھنا، اپنی دعاؤں کی عدم قبولیت کا رونا رونا اور نیرنگیٔ دوراں کی شکایت کرنا ایک فضول بات ہے۔ بیماری کے ازالہ کے لیے علاج ازبس ضروری ہے لیکن بنیادی طور پر بیماری کی تشخیص لازم ہے۔ آج بیماریوں کا سب رونا روتے ہیں لیکن نہ تشخیص ہے نہ علاج اور نہ پرہیز۔ یاد رکھیئے ارشاد پیغمبر ﷺ ہے اِنَّ اللّٰہَ طَیِّبٌ لَا یَقْبَلُ اِلَّا طَیِّبًا۔

جب تک رزقِ حلال کی اہمیت کو ہم نہ سمجھیں گے اور اس کی اہمیت کو نہ سمجھیں گے اور اس کے حصول کے لیے اپنے آپ کو آمادہ و تیار نہ کریں گے اس وقت تک ہماری پریشانی و بدحالی علیٰ حالہٖ رہے گی اور کسی طرح بھی ہم امن و چین سے بہرہ ور نہ ہو سکیں گے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

عظمتِ حدیثِ پاک

عبدالرحمٰن لدھیانوی، شیخوپورہ

حدیث وہ ہے جسے قولِ مصطفیٰؐ کہیے
حدیث وہ ہے جسے فعل مجتبےٰؐ کہیے

جس طرح تمام کائناتِ عالم میں سیّد الاولین والآخرین شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے افضل ہیں اسی طرح آپ کے کلام کی فضیلت تمام مخلوق کے کلاموں پر ہے۔ مثل مشہور ہے کلام الملوک ملوک الکلام — (بادشاہوں کا کلام تمام کلاموں کا بادشاہ ہوتا ہے)

اس کلام نبوی یعنی حدیث شریف کا موضوع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک ہے اس حیثیت سے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور حدیث آپ کے قول و فعل اور تقریر کو کہتے ہیں۔ اور اس کے پڑھنے اور عمل کرنے سے دونوں جہان کی سعادت اور کامیابی حاصل ہوتی ہے۔

اس لحاظ سے قرآن شریف کے بعد حدیث شریف ہی کا درجہ ہے۔ عامل بالحدیث کے لیے بڑے بڑے درجات ہیں۔ علامہ ابو محمد ازدی مصری اپنی کتاب "الموتلف" کے صفحہ ۱۳۶ پر خوب فرماتے ہیں "علم حدیث کی بڑی فضیلت ہے اور اس کی اعانت و مدد کرنے والا بلند مرتبہ حاصل کر لیتا ہے۔ علم حدیث کو پڑھ کر ناقص ترین انسان کامل بن جاتا ہے اور قبیح و بدصورت آدمی حسین و خوبصورت بن جاتا ہے۔ علمِ حدیث کی عظمت و جلالت پوشیدہ نہیں ہے بے شک وہ علوم دین کا دریا ہے۔ یہ دریائے فیض بزرگی میں دراز بازو ہے۔ اس دریا میں بڑے قیمتی موتی، یاقوت و مونگے ہیں۔ جو ہی ہیں وہ بلند پایہ اور بلند مرتبہ ہیں اور اہل حدیث اللہ کے دین کے مددگار ہیں۔

حدیث شریف کی فضیلت حدیث کی زبانی

حضرت عیاض بن ساریہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ہمیں نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد ہماری طرف متوجہ ہو کر ایسا وعظ فرمایا جس سے آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ اور دل دہل گئے۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ایسا وعظ آپ نے فرمایا ہے جیسے کوئی رخصت کرنے والا رخصتی کے وقت خصوصی باتیں کرتا ہے تو کچھ ہمیں وصیت و نصیحت کیجئے۔ آپؐ نے فرمایا میں تمہیں یہ وصیت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈرتے رہنا اور مسلمان حکمرانوں کی (معروف میں) اطاعت و فرمانبرداری کرنا اگرچہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہوں۔ اور جو میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت اختلاف دیکھے گا۔ ایسی حالت میں میری سنت کو لازم پکڑ لو اور میرے خلفائے راشدین کے طریقہ کو لازم پکڑ لو اور اس کو دانتوں سے تھام لو اور نئی باتوں سے بچتے رہو کیونکہ ہر نئی بات بدعت ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تَرَکْتُ فِیْکُمْ اَمْرَیْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّکْتُمْ بِہِمَا کِتَابَ اللّٰہِ وَسُنَّتِیْ (رواہ الحاکم)

ترجمہ: میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں جب تک تم ان دونوں کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہو گے تم کبھی بھی بے راہ نہیں ہو سکتے (۱) اللہ کی کتاب (۲) میری سنت یعنی حدیث۔ یہی

دونوں چیزیں مشعلِ راہِ ہدایت ہیں اور یہی دونوں چاند اور سورج ہیں۔ جس کے ہاتھ میں یہ دونوں ہوں وہ گمراہ نہیں ہو سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میری امت کے فساد اور اختلاف کے وقت حدیث اور سنتِ رسولؐ پر عمل کرنے والے کو سو شہیدوں کا ثواب ملیگا۔ (بیہقی)

حدیث نبوی اور سنتِ رسولؐ کے ساتھ محبت کرنے والا نبی کے ساتھ ساتھ جنت میں رہیگا آپؐ نے فرمایا۔ "جس نے میری سنت (حدیث) کے ساتھ محبت کی اُس نے میرے ساتھ محبت کی۔ اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں رہے گا۔" (ترمذی)

حدیث شریف نجات کا ذریعہ ہے

جو لوگ اللہ کی خوشنودی کے طالب ہیں۔ ان کے لیے حدیث بہترین ذریعہ ہے۔ حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں "میں نہیں جانتا کہ زمین پر کوئی علم حدیث کے طالب سے اچھا ہو اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی رضامندی چاہتا ہو۔

حدیث افضل ترین عبادت ہے اور تسبیح سے بہتر ہے

امام وکیعؒ فرماتے ہیں کہ حدیث سے بہتر کوئی عبادت نہیں۔ حدیث میرے نزدیک تسبیح سے بہتر ہے۔ اگر تسبیح سے افضل نہ ہوتی تو میں بیان نہ کرتا۔

علم حدیث گویا نماز ہے

محمد بن عطاءؒ کہتے ہیں کہ موسیٰ بن یسار ہم کو حدیث سنا رہے تھے تو حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے اُن سے فرمایا۔ "جب تم حدیث پڑھا کر فارغ ہو جاؤ تو سلام پھیر دو۔ اس لیے کہ اب تک تم نماز میں تھے۔" (تاریخ بغداد)

مطلب یہ ہے۔ جس طرح نماز پڑھنے کا ثواب ہے اسی طرح حدیث شریف پڑھانے والے کا ثواب ہے۔

حدیث شریف پڑھنا نفلی نماز سے بہتر ہے

امام وکیعؒ فرماتے ہیں "اگر میں جانتا کہ نفلی نماز حدیث سے بہتر ہے تو حدیث بیان نہ کرتا۔ حالانکہ نفل نماز سے میرے نزدیک حدیث خوانی افضل ہے۔

اشاعتِ حدیث شریف کی فضیلت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اللہ تعالےٰ اس شخص کو تازہ خوش و خرم رکھے۔ جس نے ہماری حدیث کو سن کر یاد کر لیا اور اسی طرح دوسروں کو پہنچا دیا۔ (شرف اصحاب الحدیث)

حدیث پڑھنے اور پڑھانے والے حضورؐ کے جانشین ہیں

حضرت علی کرم اللہ وجہٗ فرماتے ہیں کہ ایک بار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمانے لگے "اے اللہ! تو میرے خلفاء پر رحم فرما۔ ہم لوگوں نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ! آپ کے خلفاء کون لوگ ہیں؟ آپؐ نے فرمایا۔ میرے خلفاء وہ لوگ ہیں جو میرے بعد آئیں گے اور میری حدیثوں اور سنتوں کو روایت کریں گے اور لوگوں کو سکھائیں گے۔

حدیث والے درود شریف کی کثرت اور ملاومت کی وجہ سے رسول اکرمؐ کے سب سے نزدیک ہوں گے

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "میرے خلفاء میں قیامت کے دن سب لوگوں سے زیادہ میرے قریب وہ ہوں گے جو سب سے زیادہ مجھ پر درود پڑھتے ہیں۔"

حضرت ابوبکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص مجھ سے کسی علم کو لکھے یعنی میری حدیثوں کو لکھے اور اس کے ساتھ ساتھ مجھ پر درود بھی لکھے تو جب تک وہ کتاب میں موجود رہے گی اس کو ثواب ملتا رہے گا - (باقی)

عالمگیر قانون

انتخاب

ادارہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے صدر مسٹر روبولو نے حال ہی میں ایک تقریر کے دوران فرمایا۔

"ضرورت ہے کہ دنیا بھر میں ایک ایسا قانون
رائج ہو جائے جو سب کے لیے قابل ہو،
تاکہ اس قانون کے ماتحت کمزور اور چھوٹی
قوموں کو بھی آزاد اور پرامن رہتے ہوئے اپنی
حالت سدھارنے کا موقعہ مل سکے۔"

خواہش کتنی نیک ہے، مگر کیا عالم واقعات میں ایسا ہو سکتا ہے! کیا وہی لوگ جو خود اپنے اپنے ملک کے لیے کوئی ایسا قانون نہ بنا سکے جو سب طبقوں کے لیے یکساں قابل قبول ہو ساری دنیا کے لیے ایسا قانون بنا سکیں گے جو تمام چھوٹی بڑی قوموں کے فائدے کو ملحوظ خاطر رکھے۔

اقوام متحدہ کے بوجھ بجھکڑوں کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے حقیقت بہر حال یہی ہے کہ اس قسم کا عالمگیر قانون صرف خدائی ہدایت ہی سے اخذ کیا جا سکتا ہے — وہی خدا جس کے منصف اور غیر جانبدار ہونے پر دنیا کی تمام چھوٹی بڑی قومیں متفق ہیں اور جس کے قانون سے کسی کو بھی یہ خطرہ نہیں ہو سکتا کہ اس میں میرے مفاد کا لحاظ نہ رکھا گیا ہوگا۔ (الانصاف الہ آباد)

آزمائش کہ ہو ما است

ایک مرتبہ مدراس کے مسلم طلبہ نے "امتحانی ضرورتوں" کے پیش نظر نماز عید ترک کر دی صدق لکھنؤ نے اس پر "نماز چور" کے عنوان سے شذرہ لکھا اس پر رئیس القلم علامہ سید مناظر احسن گیلانی قدس سرہ نے چند سطور لکھیں جو اس وقت صدق میں شائع ہوئیں یہ سطور آج بھی ہمارے حسب حال ہیں

"آپ کی یہ بات مجھے بہت پسند آئی کہ جو آپ نے مسلمانان مدراس کے ترک نماز کے متعلق لکھا ہے واقعہ یہ ہے کہ ۹۹ فیصدی امور مذہبی معاملات کے متعلق ایسے ہیں جن کو خود مسلمانوں نے اپنے اختیار سے چھوڑ رکھا ہے۔ اہم فرائض کی وہ پرواہ نہیں کرتے، لیکن ایک فی صدی باتیں جن کو اسلام میں چنداں اہمیت بھی نہیں ہے اگر دوسری قوموں کی بے جا دست اندازیوں سے کچھ متاثر ہوئی ہوں تو پھر آسمان سر پر اٹھا لیتے ہیں۔

حضرت مسیح علیہ السلام کا فقرہ جو آپ علماء یہود کو خطاب کر کے فرمایا کرتے تھے کہ تم مچھروں کو چھانتے ہو اور اونٹوں کو نگلتے ہو۔ یہی دورہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عہد حاضر کی نسلوں پر پڑا ہوا ہے۔ فرائض پنجگانہ کے تارک مسلمانوں کو کیا حق ہے کہ وہ قربانی وغیرہ پر ٹسوے بہائیں کہ دوسرے ان کو قربانی نہیں کرنے دیتے۔

رشوت، سمگلنگ، چور بازاری کے روپیہ سے قربانی کے جانور خرید کر کے مقابلہ کا بازار گرم ہوتا ہے شاید زیادہ افسوس بھی اسی کا ہے۔"

ارباب اقتدار اور عوام

الانصاف الہ آباد ۱۹۴۹ء کی ایک تحریر

سنا ہے کہ لائلپور کی ایک عدالت میں ایک مقدمہ کے دوران مستغاث علیہ کے وکیل نے مستغیثہ سے چہرہ کھولنے

ٹیلیفون نمبر ۶۰۵۴۵

The Weekly "KHUDDAMUDDIN"
LAHORE (PAKISTAN)

رجسٹرڈ ایل نمبر ۶۰۳۶

منظور شدہ محکمۂ تعلیم (۱) لاہور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری G/۱۶۳۲۱ مورخہ ۳ مئی ۱۹۵۶ء (۲) پشاور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری T.B.C ۲۲۶-۲۳۸۹ مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۵۶ء
(۳) کوئٹہ ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ۲۹/۹/۶۷-۲۰۷ D.D.A مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۶۴ء (۴) راولپنڈی ریجن بذریعہ میمو نمبر G.M/۳۰-۱۵۲۱۰ مورخہ ۳ مارچ ۱۹۶۷ء

کا مطالبہ کیا جب کہا گیا کہ ایسا مطالبہ ناجائز اور غیر اسلامی ہے تو وکیل نے کہا کہ جب بیگم رعنا لیاقت علی جیسی مقتدر ہستی بے پردہ رہتی اور بے پردگی ہی کی تلقین کرتی ہے تو مستغیثہ کو پردہ اٹھانے سے کیوں انکار ہے۔ اس پر مستغیثہ کے وکیل نے کہا کہ کسی بڑے سے بڑے آدمی کی غلط کاری بھی کسی غیر اسلامی حرکت کے جواز کی سند نہیں بن سکتی۔

مندرجہ بالا واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ پاکستان میں کس طرح اس وقت متضاد رجحانات کی کارفرمائی ہے ایک طرف پاکستان کا برسراقتدار طبقہ ہے جو اپنی پوری کوشش اسلام کی جڑیں کاٹنے اور فحاشی و بے حیائی کی تبلیغ پر صرف کر رہا ہے۔ اور اس کے طرز عمل کو سند بنا کر عوام میں سے بھی بعض لوگ "متاع ایمان" حیاء کو کاٹنے پر آمادہ ہو گئے ہیں — اور دوسری طرف وہ کروڑوں مسلمان عوام ہیں جو لاکھ گناہوں میں مبتلا ہونے کے باوجود بھی اسلامی طرز معاشرت کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں گویا خود رہبر کارواں متاع کارواں کو لوٹنے کی فکر میں ہے۔

دیکھنا یہ ہے کہ اس کشمکش میں کامیابی عوام کو حاصل ہوتی ہے یا ارباب اقتدار کو؟

پردہ اور پاکستان:- (ایک غیر ملکی سیاح کی نظر میں)

راقم کو ابھی حال میں پاکستان کے سفر کا اتفاق ہوا۔ وہاں اس نے دیکھا کہ نو عمر، نوجوان اور نوخیز لڑکیوں کو ان کے نوکر اپنی سائیکلوں پر بٹھائے ہوئے اسکول لیے جا رہے ہیں۔ شریف گھرانوں کی لڑکیاں سڑکوں پر چہلیں کرتی پھرتی ہیں۔ اسکول کے کمپاؤنڈ میں دیکھیے تو ہر قسم کی مردانہ ورزشوں میں انہیں مصروف پائیے گا سڑکوں پر دیکھیے تو موٹریں چلاتے ہوئے انھیں پائیے گا۔ دفاتر میں جائیں تو وہ ملیں گی۔ ہوائی جہاز کو دیکھیں تو وہاں بھی انہیں مختلف کاموں میں مصروف پائیے گا آنکھوں میں سرمہ، ہونٹوں پر سرخی، ریشمی ساڑی، ریشمی جمپر اس سازو سامان کے ساتھ وہ "گاہکوں" سے گفتگو کرتے دکھائی دیں گی۔ (روزنامہ حق لکھنو)

کیا اس پر کسی کو شرم محسوس ہو گی؟

بقیہ: اسلام میں . . .

کا خورد و نوش بیچ کر کے برابر تقسیم کر دو۔
بیت المال کے متعلق فرمایا۔

"اس مال میں سے ہر شخص کا حق ہے اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے وہ اس مال میں سے لے سکتا ہے"

شروع ہی سے اسلام نے جان لیا تھا کہ فقر و فاقہ کا مسئلہ مجرد انفرادی احسان سے حل نہیں ہوگا۔ اور نہ ہی وقتی اصلاحات اس کا تدارک کر سکتی ہیں۔ چنانچہ اسلامی معیشت کا بنیادی نقطہ ہی اس بات کو قرار دیا کہ ہر شخص کو بقدر کفایت ضروریات میسر ہوں۔ نظام زکوٰۃ اپنی تمامتر وسعت کے ساتھ اس مسئلہ کا شافی اور واحد حل ہے۔

ضروری اطلاع

حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب کا درسِ قرآن حسب سابق حاجی خوشی محمد صاحب کے بنگلہ ۱۵ جامن اسٹریٹ واہ میں ہوگا۔ بستی کاریگر کا پروگرام فی الحال ملتوی ہے۔

جانباز مرزا کی اطلاع کے مطابق ماہ رواں کا "تبصرہ" بوجوہ شائع نہیں ہوگا۔

عبید اللہ انور پرنٹر نے باہتمام کیمبرج پرنٹنگ پریس لاہور میں چھپوا کر شیرانوالہ گیٹ لاہور سے شائع کیا۔